رنجیت سنگھ کا دربار

ڈبلیو۔ جی۔ آسبرن

ترجمہ

نواب ذوالفقار علی خاں

رنجیت سنگھ کا دربار

ڈبلیو۔ جی۔ آسبرن

ت
۱۸۲ء

ت یورپی افسران جو رنجیت سنگھ کی

نواب ذوالفقار علی خاں

آتش فشاں پبلیکیشنز
شبستان سینما — ایبٹ روڈ — لاہور

قیمت :

اگست : ۱۹۸۸ء

پبلشرز : آتش فشاں پبلی کیشنز، شبستان سینما

ایبٹ روڈ لاہور۔ فون نمبر ۳۰۳۴۱۴

پرنٹرز : پریمیئر پرنٹرز لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

فہرست

پیش لفظ	منیر احمد منیرؔ	۵
تمہید	نواب ذوالفقار علی خاں	9
قطعۂ تاریخ	منشی کریم بخش کریمؔ	۲۱
دیباچہ	ڈبلیو جی آسبرن	۲۳
دربار و فرودگاہِ رنجیت سنگھ		۳۹
روزنامچہ		۴۱
تتمہ		۱۱۳
کیمپ گورنر جنرل لاہور ۳ر جنوری ۱۸۳۹ء		۱۱۸
حصہ دوم ۔ فہرست یورپی افسران جو رنجیت سنگھ کی ملازمت میں تھے		۱۲۳
جرنیل ونتورا		۱۲۵
جرنیل الاڈ		۱۲۹
جرنیل اوی تابیل		۱۳۱
جرنیل کورٹ		۱۳۶
ضمیمہ		۱۳۹

تصاویر

مہاراجہ رنجیت سنگھ شاہی قلعہ لاہور کے شیش محل میں نذرانے وصول کرتے ہوئے۔ ۸

زرہ بکتر عہدِ سکھاں ۲۲

مہاراجہ رنجیت سنگھ ۳۷

رنجیت سنگھ کا دربار ۳۸

سکھ سردار ۴۰

ادینا نگر ۴۵

شیر سنگھ ۴۷

فقیر عزیز الدین ۴۹

اجیت سنگھ ۵۱

رنجیت سنگھ دربار میں ۵۳

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ہیرا سنگھ ۵۶

مہارانی جند کور ۵۶

طوائفانِ پنجاب ۶۰

رقصِ طوائف ۶۵

سکھ سپاہی ۶۸

مہاراجہ رنجیت سنگھ ۷۱

دفن ہونے والا فقیر ۷۹

شالامار باغ ڈیڑھ سو برس قبل ۸۷

اکالئے سکھ ۸۹

اکالی (نہنگ) گھوڑسوار ۱۰۳

محمد حسن وکیل شاہ شجاع ۱۱۴

لارڈ ولیم بینٹنک ۱۱۶

لارڈ آک لینڈ ۱۱۶

جرنیل الاڈ ۱۲۸

جرنیل ونتورا ۱۲۸

جرنیل اوی تابیل ۱۳۵

مہاراجہ کھڑک سنگھ، دھیان سنگھ، نونہال سنگھ، ہیرا سنگھ۔ ۱۳۸

کرنل الیگزینڈر گارڈنر ۱۴۳

مہاراجہ رنجیت سنگھ، گھوڑسواری ۱۴۵

کوشک سنگھ، تیجا سنگھ، لال سنگھ، پنڈت جلا، جواہر سنگھ، پرتھی سنگھ۔ ۱۵۳

شام سنگھ، عطر سنگھ، فتح سنگھ، اجیت سنگھ، لہنا سنگھ، لہنا سنگھ۔ ۱۵۵

مہاراجہ دلیپ سنگھ ۱۵۹

پیش لفظ

کیپٹن ڈبلیو - جی - آسبرن ہندوستان کے گورنر جنرل (۱۸۳۶ء - ۱۸۴۲ء) لارڈ آک لینڈ کے ملٹری سیکرٹری تھے - اس وقت ہندوستان میں اگرچہ انگریز کا راج تھا لیکن پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا طوطی بولتا تھا۔ جہاں اس کی بادشاہت اس قدر مضبوط و مستحکم تھی کہ ہندوستان کے بعض ہمسایہ ممالک کے پیچیدہ سیاسی حالات و واقعات، خاص کر کے روسیوں کی سوچ اور ارادوں نے اس انگریز گورنر جنرل کو پنجاب کے اس مہاراجہ کے ساتھ مستحکم دوستانہ تعلقات استوار کرنے پر مجبور کر دیا۔ نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور پھر ایک سفارتی مشن پنجاب بھیجا گیا۔ اس مشن میں گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری ڈبلیو - جی - آسبرن بھی موجود تھے - ۱۹ مئی ۱۸۳۸ء کو یہ قافلہ روپڑ پہنچا ہے - اس روز سے آسبرن کا روزنامچہ شروع ہو جاتا ہے - جو مہاراجہ کی موت تک جاری رہتا ہے -

ولیم آسبرن کا یہ روزنامچہ "دی کورٹ اینڈ کیمپ آف رنجیت سنگھ" کے عنوان سے ۱۸۴۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔ جس کا مالیر کوٹلہ کے نواب ذوالفقار علی خاں نے اردو میں ترجمہ کیا۔ پتہ نہیں کتنے ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہ ترجمہ ہم تک جناب سیف اللہ خالد کے ذریعے پہنچا۔ اس میں شامل ایک تصویر کی پشت پر یہ دستخط ہیں: عبدالغنی بقلم خود، ۲۷ر اپریل ۱۹۰۸ء - اس کے نیچے کسی ایم الہ بخش کے دستخط ہیں۔ مسودے کی تمہید کے آخر میں مترجم نے اپنے نام کے ساتھ ۲۵ر نومبر ۱۹۰۵ء کی تاریخ درج کی ہے۔

نواب ذوالفقار علی خاں نے اردو میں اس کا کیا عنوان جمایا ہوگا۔ کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ کیونکہ ابتدائی صفحات غائب تھے۔ چنانچہ انگریزی کی اصل کتاب کی مناسبت سے اس کا عنوان "رنجیت سنگھ کا دربار" مناسب معلوم ہوا۔

رنجیت سنگھ کی شخصیت ہمیشہ دلچسپی کا موضوع رہی ہے۔ یہ دلچسپی پنجاب تک ہی نہیں، برِ صغیر کے ہر خطے حتیٰ کہ انگریزوں اور دوسرے غیر ملکیوں اور سیاحوں میں بھی موجود رہی - یوں رنجیت سنگھ اور اس کا عہد بے شمار قصے، کہانیاں، واقعات، روایات اور مثالیں اپنے پیچھے چھوڑ گیا، بلکہ دلچسپ لطیفے بھی - اگرچہ ان میں سے بیشتر واقعات تاریخ کی کتابوں کی بجائے سینہ بہ سینہ چل رہے ہیں - اور سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات کی ثقاہت مشتبہ ہی رہی ہے - کئی موہنوں سے نکل نکل کر واقعہ اپنی اصلیت کھو دیتا ہے، اور پھر اس کا جو روپ بنتا ہے ابلاغ عامہ کے ماہرین اسے 'افواہ'، کا نام دیتے ہیں، جس کی کئی قسمیں ہیں - ان افواہوں اور گھٹاتے ہوئے

واقعات کا مداوا بلکہ بھرپور توڑ وہ چشم دید واقعات اور تجربات ہیں جو بلا کم و کاست بیان کر دیئے جائیں۔ اور یہ خوبی "رنجیت سنگھ کا دربار" کو مسلّم کرتی ہے۔

"رنجیت سنگھ کا دربار" کا تعلق ہر روز وقوع میں آنے والے واقعات اور رنجیت سنگھ کی دلچسپیوں، مصروفیات اور معمولات سے ہے۔ لیکن مصنف نے دیباچے میں جو تاریخی پس منظر بیان کیا ہے۔ اس سے ان واقعات کا لطف اٹھاتے وقت مغلوں کے زوال، سکھوں کے زور پکڑنے اور بالآخر پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر دینے کی تفصیل قاری کے ذہن میں موجود ہوتی ہے۔ دوسری طرف کتاب کے مترجم نے دیباچے میں جو کمی محسوس کی اسے تمہید میں بیان کر کے پنجاب میں سکھوں کی حکومت کی ابتدا اور ان کی جدوجہد کے متعلق خاصا ٹھوس مواد جمع کر دیا ہے کہ کس طرح پنجاب کے سکھ باہمی آویزشوں کا شکار رہے۔ اور ان کی جنگی زور آزمائیوں کے بطن سے رنجیت سنگھ کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر ایک آنکھ والے اس بدہیئت جنگجو سردار کو ابتداً لاہور کی حکومت ایک صلے میں ملتی ہے۔ اور پھر وہ اپنی جنگجویانہ طبع، معاملہ فہمی اور انتظامی صلاحیتوں سے بھرے ہوئے، بگڑے ہوئے اور آپس میں زور آزما سکھ سرداروں کو زیر کرتا چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر پنجاب کے ایک زور آور مطلق العنان بادشاہ کا روپ دھار لیتا ہے۔

آسبرن کے چشم دید واقعات رنجیت سنگھ کی شخصیت کا عجیب و غریب اور متضاد رنگ ابھارتے ہیں۔ وہ بیک وقت رحم دل اور نرم مزاج ہے اور بے حد سفاک بھی۔ وہ مذہبی رواداری برتتا ہے، لیکن مسلمانوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ بادشاہی مسجد لاہور کو اپنے اسلحہ خانے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ حرص اور لالچ میں بے پروا ہے اور خسروانہ دریادلی میں بے پایاں۔ وہ ہیرے، جواہرات اور مال و زر جمع کرنے میں کسی اخلاقی، انسانی اور اصولی مؤقف کا شائق نہیں، لیکن کوہِ نور ہیرے سمیت کئی دوسرے بیش قیمت ہیرے وہ ہندو مندروں کی نذر کر دیتا ہے۔ وہ ایک مضبوط، منظم، جدید اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کا قائل ہے اس کے لئے اس نے اٹلی، انگلستان اور فرانس سے ماہر جرنیلوں کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ اس قدر جنگ آزمودہ ہونے کے باوجود فوج کو بارہ بارہ مہینے تک تنخواہیں نہیں دیتا۔

"رنجیت سنگھ کا دربار" کے مطابق وہ اتنا بڑا جنگجو، جنگ آور اور جری حکمران ہے۔ اور اس نے ایسا مضبوط فعال اور ٹھوس عسکری اور دفاعی نظام ترتیب دے رکھا ہے کہ انگریز کو پنجاب کی طرف نظر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی سلطنت کی بقا کے لئے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہوتا ہے، اور یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ انگریز نے سارا ہندوستان سرنگوں کر لیا، لیکن پنجاب سب سے آخر میں سرنگوں ہوتا ہے۔ وہ بھی اس "شیرِ پنجاب" کی موت کے بعد اور سکھوں کی طلبِ جاہ کے لئے آپس کی انتہا درجے کو پہنچی ہوئی آویزشوں

کے نتیجے ہیں۔

رنجیت سنگھ کی جنگجویانہ صلاحیتوں اور ارادوں کے مشاہدے کے نتیجے میں آسبرن لکھتا ہے "...... اور اگر گورنمنٹ برطانیہ کی یہ حاسدانہ نگرانی سدِ راہ نہ ہوتی تو یہ لازمی امر تھا کہ افغانستان نہیں تو سندھ کو تو ضرور اس سے بہت عرصہ پہلے وہ اپنی سلطنت میں شامل کر چکے ہوتے ......"

لیکن رنجیت سنگھ صرف شمشیر و سناں کا ہی رسیا نہیں تھا۔ اسے حُسن و شباب کا بھی خبط تھا۔ عشق باز، عشق پرداز اور عشق پیشہ۔ بارہ بجے دوپہر تک دربار کرتا اور پھر بادۂ عشق سے سرشار گل رخوں اور مہ وشوں سے سجے ہوئے اپنے عشرت کدے میں پہنچ جاتا۔ جہاں تیکھے ابروؤں اور کالی گھٹاؤں میں گھرے ہوئے کنول جیسے نازک چہرے اپنے دل نشین حسن اور فتنہ پردازاداؤں کے ساتھ اس کے منتظر ہوتے۔ اور عشرت کدہ شمیم جانفزا سے مہک رہا ہوتا۔

رنجیت سنگھ کی اس کمزوری اور مشغولیت اور بے اعتدالیوں کے متعلق آسبرن لکھتا ہے: "...... شام کے وقت ایک دستہ عورتوں کی فوج کا مع سازوسامانِ سرود اور آتش بازی کے ہمارے پاس آیا۔ اس فوج کی آراستگی کا سبب رنجیت سنگھ کی عیاشی اور فسق و فجور کی زندگی ہے ...... میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ رنجیت سنگھ دوست محمد خاں اور اس کے افغانوں کا مقابلہ تو کرلے گا مگر اس زنانے باڈی گارڈ کے ایک سپاہی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، ..... کشمیر کی نوعمر حسینوں نے ایک ناچ اس طریقے سے دکھایا کہ اپنے ہاتھوں میں چھڑیاں لے کر مصنوعی جنگ کی طرز پر ایک دوسری کی چھڑی پر بجاتی اور اسی انداز پر اپنے پاؤں کی دل ربا حرکت سے گت باندھتی تھیں جس سے گھڑیال کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ یہ ناچ نہایت پُرلطف اور دل پسند تھا۔ ناچ ختم ہوتے ہی جمعدار نے ہم کو مہاراج کا یہ حکم سنایا کہ ان حسینوں میں سے جو جو ہمیں دل پسند ہوں اپنی خدمت میں رکھ لیں ......"

القصہ "رنجیت سنگھ کا دربار" رنجیت سنگھ کی بالخصوص اور اس عہد کے پنجاب کی بالعموم نفسیات، سوچ، مزاج اور روح کا ایک ایسا دلچسپ مرقع ہے، جو رنجیت سنگھ کے طریقِ حکمرانی، لا اینڈ آرڈر کی کیفیت، اس کی فوجی قواعد دانی، خارجہ اور داخلہ امور کے فہم و ادراک اور مہارت، جنگ و جدل اور حسن و طرب میں ڈوبی ہوئی کتابِ زندگی اور اس کی موت کے فوراً بعد ہونے والے واقعات کی خوب خوب منظر نگاری کرتا ہے۔

تمہید میں مترجم نے کتاب میں شامل تصاویر کو قطعی معتبر قرار دیا ہے جن کی تعداد بیس ہے ہم نے ان میں بارہ مزید تصاویر کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس سے ان کی تعداد بتیس ہوگئی ہے۔

منیر احمد منیر

لاہور ۲۴ مئی ۱۹۸۸ء

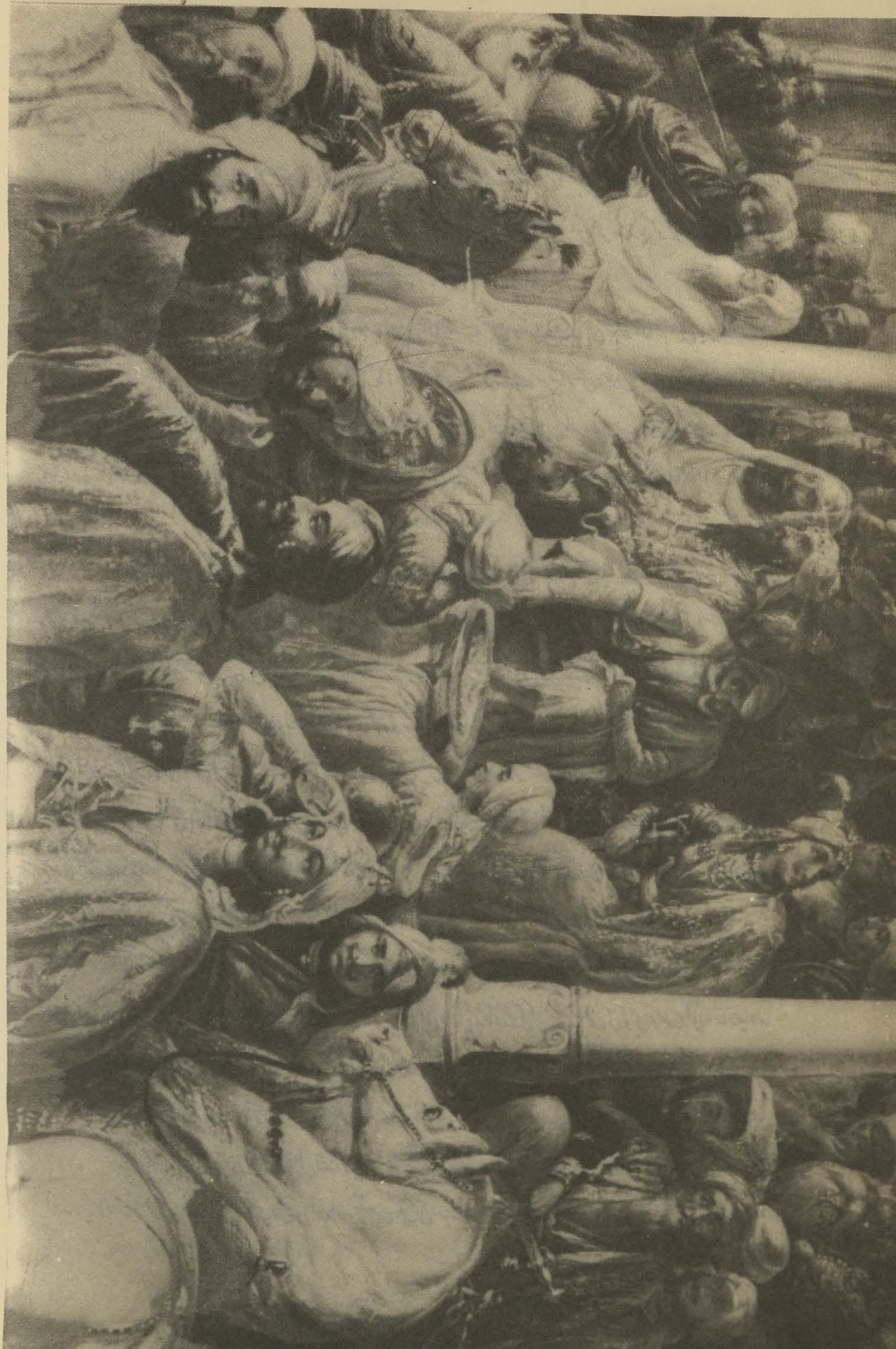

تمہید

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فتوحات اور مصالح ملکی بہت سی انگریزی تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور اُن سے اس باقبال فرمانروا کی دانشمندی اور کامیابیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعات نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ہیں لیکن اُن سے مہاراجہ کی معاشرت اور طرزِ تمدّن کا حال کُلّی طور پر واضح نہیں ہوسکتا۔ ان واقعات پر نظر ڈالنے سے ہر شخص کے دل میں فطرۃً یہ خواہش ضرور پیدا ہوگی کہ ایسے نامور جرّی کے روزانہ معمول و طریق زندگی کی پوری کیفیت بھی کسی طرح معلوم ہوسکے۔ آسبرن صاحب کی کتاب کا مطالعہ کرکے میرے دل میں فوراً ہی یہ خیال جم گیا کہ اُردو زبان میں اب تک کوئی ایسی تاریخ موجود نہیں جس میں یہ حالات پائے جاتے ہوں۔ اگر اس کا ترجمہ کردیا جائے تو اُن بےشمار شائق طبیعتوں کے لئے خالی از لطف نہ ہوگا جو نہ صرف قومیت و مذہب کی وجہ سے بلکہ عموماً اب تک اُس کے نام کے دلدادہ ہیں۔ آسبرن صاحب کی عینی شہادت سے ثابت ہوسکتا ہے کہ مہاراجہ کے روزانہ اوقات کس شغل میں گزرتے تھے۔ اور اُن کی حکومت کا طرز اور رعایا کی حالت اور کیفیت کس طرح تھی اور کیا تھی۔ جو غلط خیالات مہاراجہ سے منسوب کئے گئے ہوں گے وہ یقیناً ان اصلی اور سچے واقعات کے مطالعہ سے صحت اور اصلیّت تک پہنچ جائیں گے۔ صوبہ پنجاب میں سکھوں کی عہدِ حکومت و موجودہ طرز گورنمنٹ برطانیہ کا موازنہ ایک عمدہ تاثیر سے خالی نہیں۔ اگرچہ اُس دورِ حکومت کا خاتمہ ہوچکا۔ لیکن اس وقت بھی بہت سے وہ لوگ اب تک زندہ موجود ہیں۔ جنہوں نے مہاراجہ کے عروج اور جاہ و جلال کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کی بےفکری اور اطمینان کی زندگی سے ثابت ہوسکتا ہے کہ گو حکومت اور سلطنت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے اور ایک دوسری قوم اُن پر مسلّط ہے مگر وہ اس انقلاب سے کچھ شاکی نہیں پائے جاتے۔

سلطنت مغلیہ کے آخری زوال کے زمانے میں جن لوگوں نے اپنے زورِ بازو سے فتوحات

حاصل کیں اُن میں سے رنجیت سنگھ شاید سب سے زیادہ نامور ہے۔ اگرچہ اس کی خود قائم کردہ سلطنت اس کے مرجانے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد نیست و نابود ہوگئی۔ مگر ہندوستان کی قومی ترقی اور دلاوری کی نسبت نازک خیال و دُوربین آدمی بے انتہا نتائج اسی سے بآسانی نکال سکتا ہے۔ اگرچہ آسبرن صاحب نے نہایت خوش اسلوبی سے سکھوں کی ایک مختصر تاریخ اپنے دیباچہ میں بیان کی ہے۔ اس جگہ مجھے اس کے دُہرانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ لیکن بعض وہ دلچسپ اور بیش بہا تاریخی باتیں جو اُس میں درج نہیں مجملاً یہاں پر بیان کی جاتی ہیں۔

گروگوبند سنگھ نے جو دسویں بادشاہی سے موسوم کیے جاتے ہیں پہلے ہی یہ ظاہر کر دیا تھا کہ سلسلہ گروصاحبان کا ہماری ہی ذات پر ختم ہو جائے گا۔ مگر ان کی حیات میں خالصہ ایک جری اولوالعزم اور مغرور قوم بن گئی تھی۔ اگرچہ ابھی تک اُن کی تعداد بہت کم تھی مگر باہمی اتفاق اور مذہبی جوش کے باعث وہ شکستہ دل مغلیہ فوج کا مقابلہ بڑی مردانگی سے کرتے رہے۔ سکھوں کی خوش قسمتی سے شہنشاہ اورنگ زیب کے مرتے ہی مغلیہ خاندان کے رعب اور سطوت کا رنگ مٹ گیا تھا۔ اور ملک کے مختلف صوبے خود مختار بن گئے تھے۔ اس لئے سکھوں نے موقع پا کر شاہی علاقوں کو مالِ غنیمت کی طرح اپنے تصرف میں لانے کے لئے کمر ہمت چُست باندھ لی۔ چنانچہ جب گروگوبند سنگھ کے بعد بندہ نامی اُن کا جانشین ہوا تو اس نے ہمت و مردانگی سے شاہی فوجوں کو کئی شکستیں دیں۔ مگر آخر کار ۱۷۱۶ء میں کئی ہزار ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو کر دہلی پہنچ گیا۔ اس کے بعد نادر شاہ کے حملے تک سکھوں نے مطلقاً سر نہ اُٹھایا۔

احمد شاہ ابدالی کو ان سے کوئی خاص بغض نہیں تھا۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ سکھوں کو اپنا طرف دار بنائے۔ چونکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بہت سی تکلیفیں پہنچی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ ملتفت نہیں ہوئے۔ لیکن اب ان کے پراگندہ گروہوں نے اجتماعی صورت بنا کر مختلف مسلیں قائم کر لیں۔ اور جو ان میں سے باہمّت اور دل چلے تھے وہ اپنے اپنے مسل کے سردار بن گئے۔ جس سے ان کی طاقت میں بہت معقول ترقی ہوگئی۔ علاوہ بریں ان سرداروں نے مناسب مقاموں پر مضبوط قلعے تعمیر کرلئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صوبہ داران سرہند، دیناگر، لاہور ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور انھوں نے بے کھٹکے امرت سر میں اپنے متبرک معبد از سرِنو بنالئے۔

۱۷۶۱ء میں احمد شاہ نے زَین خاں کو سرہند کا صوبہ دار مقرر کیا مگر بادشاہ کے واپس جاتے ہی سکھوں نے خروج کر کے اُس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ملیر کوٹلہ کے

مسلمان رؤساء مدد کو نہ پہنچتے تو بے چارہ شاہی صوبہ معہ اپنی جملہ فوج کے کام آچکا ہوتا۔ احمد شاہ یہ خبر پاکر فوراً ہی ہندوستان میں آپہنچا اور برنالہ کے مقام پر سکھوں کو بڑی بھاری شکست دی جس میں بیس ہزار آدمی سکھوں کے مارے گئے۔ مگر احمد شاہ نے اس فتح کے بعد اپنی اولوالعزمی اور دور اندیشی سے آلا سنگھ کو الطافِ خسروانہ سے ممتاز کیا۔ بغلگیری کے بعد راجہ کا خطاب مع خلعتِ فاخرہ عطا کیا۔ مگر آلا سنگھ کے مستقل ارادوں پہ اس شاہی سلوک نے کچھ احسان مندی کا اثر نہیں ڈالا۔ کیونکہ اس نے دوسرے ہی سال سکھوں کی بڑی جمعیت میں شامل ہو کر صوبہ سرہند کو فتح کر لیا۔ اگرچہ ۱۷۶۲ء سے لے کر ۱۷۹۱ء تک بہت سی نمودار ترقیئیں سکھوں کو حاصل ہوئیں۔ مگر میں بخیال طوالت اُن کو یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں دیکھتا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیدائش کے زمانے کے قریب سکھوں کی بارہ مسلیں مُسَلَّم تھیں۔ اُن کی فہرست مفصلہ ذیل بخیال اُن کی ثروت وطاقت کے اس طرح تھی۔

نمبر۱	پھولکیاں	نمبر۷	کروڑسنگھیہ
نمبر۲	آہلو والیہ	نمبر۸	نشانیہ
نمبر۳	بھنگی	نمبر۹	شکر چاکیہ
نمبر۴	گہنا	نمبر۱۰	ولیل والہ
نمبر۵	رام گڑھیہ	نمبر۱۱	نکالیس
نمبر۶	سنگھ پوریہ	نمبر۱۲	شہید

چنانچہ ان میں سے نمبر۲ و نمبر۳ و نمبر۴ و نمبر۵ و نمبر۹ و نمبر۱۱ کے مقبوضات دریائے ستلج کے شمال کی طرف واقع تھے۔

پھلکیاں مسل میں مہاراجہ پٹیالہ اور راجگان جیند۔ نابھہ و سرداران بھدوڑ ملو و بیر وغیرہ جو کہ ایک ہی مُورثِ اعلیٰ کی اولاد میں سے ہیں شامل تھے۔

خاندان آہلو والیہ کا مورث ایک جاٹ سادھو سنگھ نامی ہے جس کی ذات کلال بیان کی جاتی ہے۔ اس نے قصبہ آہلو کی بنیاد رکھی تھی۔ اسی وجہ سے یہ خاندان آہلو والیہ مشہور ہے۔ مگر اس مسل کا اصل بانی سردار جسّا سنگھ تھا جو سادھو سنگھ سے پانچویں پشت میں ملتا ہے۔ اس کی پیدائش ۱۷۱۸ء میں گورو گوبند سنگھ کی وفات سے دس سال بعد ہوئی۔ یہ نہایت ہی نامور سردار گزرا ہے۔ اور سکھوں کی طاقت قائم کرنے میں دوسروں کی نسبت زیادہ ساعی رہا ہے۔ اور اپنے انتقال کے وقت

۱۷۸۳ء میں جملہ سکھ سرداروں سے زیادہ طاقت ور تھا۔ اس کے مقبوضات دریائے ستلج و بیاس کے مابین تھے۔

ہری سنگھ بھنگی مِسل کا سردار تھا۔ چونکہ اس کو بھنگ بکثرت پینے کی عادت تھی اس لئے یہ مِسل اس نام سے شہرت پذیر ہوئی۔ اس سردار نے اپنی سکونت امرت سر کے ضلع میں اختیار کی اور گردونواح کے ملک کو اپنے تصرف میں کر لیا۔ اور شہر ملتان پر بھی کچھ عرصہ قابض رہا۔ مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے آخر فتح کر کے اپنی مقبوضات میں شامل کر لیا۔

گھنا مِسل بہ نسبت بھنگی مِسل کے زیادہ دیر تک قائم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے قرابت پیدا کر لی تھی۔ یعنی سردار جے سنگھ سردار مِسل نے ۱۷۸۶ء میں اپنی پوتی مہتاب کَور کی شادی رنجیت سنگھ سے کر دی تھی۔ ۱۷۹۰ء میں جب جے سنگھ کا انتقال ہوا تو اُس کی بہو سدا کَور جو مہتاب کور کی ماں تھی اور لیاقتِ ملک داری میں ہوشیار تھی اس جتھہ کی سرگروہ بن گئی۔ اس کا خاوند تو پہلے ہی مر گیا تھا۔ اس نے بیوگی کی حالت میں ۱۸۲۰ء تک اپنے داماد کے مقابلہ میں اپنی مِسل کو قائم رکھا۔ اس کے مقبوضات میں اضلاع امرت سر و گورداسپور کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ اسی خاندان کی ایک اور لڑکی چند کَور شہزادہ کھڑک سنگھ ولیعہد سے بیاہی گئی۔

رام گڑھ مسل کے قبضہ میں ایک حصہ امرتسر و ضلع امرتسر کا تھا۔ سردار جسا سنگھ جو نہایت نامور سردار تھا۔ ۱۷۵۸ء میں اس مسل کی سرداری پہ فائز ہوا۔ اس سردار کی فتوحات دہلی تک پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ میرٹھ کا گورنر اس کا خراج گزار تھا۔ اس نے امرتسر کی قلعہ بندی کر کے اس کا نام رام گڑھ رکھ لیا۔ اس لئے اس مسل کی شہرت اس نام سے ہوئی۔

سِنگھ پوریہ مسل کی بنیاد سردار کپور سنگھ نے رکھی۔ یہ سردار اپنے ہمعصروں میں نہایت ہی مشہور ہو گزرا ہے۔ چنانچہ اس کو سردار کی بجائے نواب کہتے تھے۔ اس کے قبضہ میں لُودھیانہ، نورپور، جالندھر کے اضلاع کے کچھ علاقے اور کچھ انبالہ کا شمال مغربی گوشہ شامل تھا۔ اور چونکہ فیض اللہ پور کو جو امرتسر کے قریب تھا اس نے فتح کر کے اُس کا نام سنگھ پور رکھ لیا تھا۔ اسی نام سے یہ مسل نامزد ہو گئی۔

سردار کرم وڑا سنگھ سنگھیا مسل کا بانی تھا۔ اور اُس کا ملک دریائے جمنا و مکندا کے وسط میں واقع تھا۔ سردار کلسیہ جو کہ اب تک پنجاب میں بحیثیت ایک رئیس کے قائم ہے۔ اسی کے خاندان میں سے ہے۔

نشانیہ مسل خالصہ کے نشان یعنی جھنڈے سے مشتق ہے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہوا۔ ان سرداروں کی جاگیرات اضلاع انبالہ لودھراں، شاہ آباد، املوہ میں تھیں۔

سُکرچاکیہ پہلے تو ایسے کچھ متمول وطاقتور نہ تھے۔ مگر چونکہ یہ مسل خاندان رنجیت سنگھ کا تھا اس لئے اس کو سب پر فوقیت ہو گئی۔

ویئل والہ مسل کی ابتدا سردار تارا سنگھ سے ہوئی۔ ویئل گاؤں کے نام کی وجہ سے یہی نام اس کا پڑ گیا۔ اس کے مقبوضات اضلاع جالندھر دُواب انبالہ لودھیانہ فیروزپور میں تھے۔

شہیدی مسل کا سرگروہ سدا سنگھ تھا۔ جو گرو گوبند کے دمدمہ واقع تلونڈی کا مہنت تھا۔ کہتے ہیں کہ مسلمان جالندھر کے حاکم کی لڑائی میں اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا تھا تاہم اس سے پہلے کہ وہ گھوڑے پر سے گر کر ٹھنڈا ہو جائے چند آدمیوں کو قتل کیا۔ اس لئے ان کو شہید کہا جاتا ہے۔ اس مسل کی جائیداد رانیہ۔ کھیڑی۔ جڑولی میں واقع تھی۔ اور ان کی اولاد اب تک بھی سکھوں کے متبرک دمدمہ کے گوردوارہ کی پروہت ہے۔

اٹھارھویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز میں سکھوں کی قوم اوپر بیان کی ہوئی بارہ مسلوں میں منقسم تھی۔ لیکن ان کی باہمی خانہ جنگیاں اکثر ان کی حالتوں میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں اور چونکہ ان میں آزادی کے خیالات بہت بڑھ گئے تھے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کی اطاعت کو بڑی نفرت سے دیکھتے تھے مگر رنجیت سنگھ جیسے قابل اور جری آدمی کے مقابلے میں ان سرداروں کی کچھ حقیقت نہ تھی۔ چنانچہ اس نے یکے بعد دیگرے سب کو اپنے حلقہ اطاعت میں کر لیا۔ جو مسلیں کہ زیر نگرانی گورنمنٹ برطانیہ ہو گئیں تھیں وہ تو اس کے پنجہ سے واقعی بچ گئیں۔ پنجاب کی حالت اس زمانہ میں نہایت ابتر تھی۔ کیونکہ ایک تو بوجہ شمالی حملہ آوروں کے پنجاب قطعی سلطنت دہلی سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ دوسرے سکھوں کی لوٹ مار کے سبب سے امن و آسائش کا نام بھی باقی نہ رہا تھا۔ علاوہ اس کے کسی خاص سردار یا حکمران کا ایسا رُعب نہ تھا جو دوسرے ہمسروں کو اپنے رُعب وطاقت سے فتنہ وفساد سے باز رکھتا۔ چھوٹے چھوٹے سردار اپنی حفاظت کی غرض سے نامور اور دلیر سرغنوں کے ہمسایہ رہ کر کسی قدر آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر اس حفاظت کے صلہ میں ان کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لڑائی کے موقع پر اپنے اس محافظ سردار کی مدد کرنی پڑتی تھی۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ہر ایک گاؤں بجائے خود قلعہ کا کام دیتا تھا۔ اور ہر ایک ٹیلہ خونریزی کی یادگاروں کے ساتھ منسوب تھا۔ ہر شخص اپنی بیوی، زمین اور جائیداد کو قطعی غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ جب

تک کہ وہ اپنے میں اتنی طاقت پیدا نہیں کر لیتا تھا کہ ان کی حفاظت کر سکے۔ غرض رعایا اور ملک کی حالت از حد خطرناک و غیر اطمینانی حالت میں تھی۔

جب کسی ملک کی ایسی ابتر حالت ہو جاتی ہے۔ تو یہ قاعدہ ہمیشہ رہا ہے کہ کوئی شخص ایسا پیدا ہو جاتا ہے۔ جو خداداد لیاقت اور دانشمندی سے دوبارہ امن و آسائش کی برکتوں کو تازہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایسی ہی ضرورت اس وقت پنجاب میں پیش آگئی تھی۔ سردار مہان سنگھ کے ہاں جو سکرچاکیہ گروہ کا جری سردار تھا ۱۷۸۰ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رنجیت سنگھ رکھا گیا۔ اسی رنجیت سنگھ کی قسمت میں تمام پنجاب کی سلطنت لکھی تھی۔ ان کا خاندان سانسی جاٹ تھا، جو سندھانوالیاں سے نزدیکی قرابت رکھتا تھا۔ اور ان دونوں خاندانوں کا مورث اعلیٰ ایک شخص بُدھ سنگھ نامی تھا جو گردو نواح کے ملک میں نہایت ہی مشہور دھاڑوی گزرا ہے۔ کہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً اس کے جسم پر چالیس زخم تلوار وغیرہ سے لگے تھے۔ اور آخر کار ۱۷۱۸ء میں خدا کی قدرت سے ایک باامن آدمی کی طرح اپنے بستر پر جان دی۔ اس کے بعد دو لڑکے جھنڈا سنگھ و نودھ سنگھ اپنے باپ جیسے بہادر ثابت ہوئے۔ انہوں نے امرت سر کے ضلع میں ۱۸۳۰ء میں سُکر چک گاؤں کو آباد کیا۔ اور اپنے ساتھ ایک دھاڑویوں کے گروہ کو شامل کر کے گوجرانوالے کے گردو نواح کے دیہات پر قبضہ کر لیا۔

اس جگہ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جھنڈا سنگھ کی اولاد میں سے تو جملہ سندھانوالیئے سردار ہوئے ہیں اور نودھ سنگھ رنجیت سنگھ کی شاخ کا مُورث تھا۔ نودھ سنگھ بمقام مجیٹھ پٹھانوں کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا چرٹت سنگھ اس وقت صرف پانچ سال کا تھا۔ مگر سِن بلوغت کو پہنچ کر اس نے سُکر چاکیہ مسل کی سرداری حاصل کر لی۔ اور سردار جسا سنگھ آہلووالیہ اور بھنگی مِسل کی مدد کے ساتھ اس نے لاہور کے گورنر عبد خاں کو گوجرانوالے سے شکست دیکر نکال دیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک لڑائی میں اپنی بندوق کے پھٹ جانے سے مر گیا۔ مہان سنگھ نے ۱۷۷۴ء میں راجکنور سے جو راجہ گجپت سنگھ والیئے جِنید کی بیٹی تھی، شادی کی جس کے بطن سے ۶ سال بعد رنجیت سنگھ پیدا ہوا۔ اس کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ اس طرح سے پیش آیا کہ مہان سنگھ بڑے جلوس کے ساتھ جِنید میں آیا۔ چنانچہ جملہ خاندانِ پھلکیاں اُن کی ملاقات کے واسطے جمع ہوئے۔ انہیں ایامِ عیش وعشرت میں راجگان نابھہ و جِنید میں اس طرح سے ایک جھگڑا پیدا ہو گیا کہ برات والوں نے راجہ نابھہ کی زمین پر سے اپنے گھوڑوں کے واسطے گھاس کاٹ لی۔ اس پر نابھہ والے بجائے تحمل و اخلاق کے جو ایسی تقریب شادی پر لازمی ہے۔ ان پر حملہ کر کے سختی سے پیش آئے۔ چنانچہ راجہ جِنید جو کہ دُلہن کا باپ تھا ایسا آزردہ خاطر ہوا کہ

اگرچہ اس وقت تو بالکل خاموش رہا مگر شادی کے اختتام پر اس نے مستقل ارادہ کر لیا کہ اس کا بدلہ لیا جائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد اس نے حکمت عملی سے ہمیر سنگھ والیٔ نابھ کو قید کر کے اس کی ریاست پر حملہ کیا۔ اور سنگرور کا علاقہ فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کر لیا۔ جو اب تک اُن کے قبضہ میں ہے۔

مہان سنگھ نے بہت سی لڑائیوں کے بعد ۱۷۹۲ء میں بعمر ۲۷ سال انتقال کیا۔ اگرچہ مہان سنگھ کے انتقال کے وقت رنجیت سنگھ صرف بارہ سال کا تھا مگر وہ اپنے باپ کے ساتھ لڑائیوں میں ہمیشہ شامل رہتا تھا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں نو عمری ہی میں ہر ایک شخص ہنر جنگ سے ماہر ہو جاتا تھا۔ ۱۷۹۰ء میں مہان سنگھ مینچر کے قلعہ کا جو غلام محمد کے قبضہ میں تھا محاصرہ کر رہا تھا۔ عین لڑائی کے وقت حشمت خاں جو کہ والیٔ قلعہ کا چچا تھا جلدی سے اس ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ جس پر رنجیت سنگھ بیٹھا تھا۔ اور اُس بچہ کو مارنے ہی لگا تھا کہ ایک ملازم نے اس کو دھکیل کر زور سے نیچے گرا دیا۔ اور اس طرح ان تاریخی واقعات میں جو آئندہ کو پیش آنے والے تھے کچھ خلل پیدا نہ ہوا۔ ورنہ جو سرگذشت ہم بیان کر رہے ہیں اس کا موقعہ پیش نہ آتا۔ رنجیت سنگھ چونکہ کم عمر تھا اس لئے اگر سدا کور جیسی فہمیدہ اور صاحبِ طاقت عورت اس کی سرپرست نہ ہوتی تو یہ لازمی تھا کہ اس کو بہت بڑا نقصان پہنچتا۔ بسبب وراثت کے گھنیا مسل تو سدا کور کے قبضہ میں آ ہی چکا تھا مگر ۱۷۹۶ء میں رنجیت سنگھ کی اور اپنی فوجوں کو شامل کر کے سردار جسّا سنگھ رام گڑھیہ کو میانی کے قلعہ میں محصور کر لیا۔ کچھ دیر تک تو مقابلہ ہوتا رہا مگر جب قلعہ میں رسد وغیرہ باقی نہ رہی تو جسّا سنگھ نے صاحب سنگھ بیدی سے مدد کی التجا کی۔ اس پر بیدی صاحب نے سدا کور کو محاصرہ اٹھا لینے پر زور دیا مگر یہ بات کسی نے نہ مانی۔ چنانچہ جسّا سنگھ نے دوبارہ التجا کی جس پر بیدی صاحب نے جواب دیا کہ یہ لوگ میرا کہنا تو نہیں مانتے مگر خدا تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ اسی وقت دریائے بیاس میں ایسی طغیانی پیدا ہوئی کہ گھنیا والوں کا بہت سا لشکر تباہ ہو گیا اور سدا کور و رنجیت سنگھ کو ناکام واپس گوجرانوالے جانے میں بہت دقّت اٹھانی پڑی۔

رنجیت سنگھ قدرتی طور پر فراست اور فہمیدگی تو رکھتا ہی تھا مگر زمان شاہ کے جو کہ احمد شاہ کا پوتا تھا پنجاب میں آنے کے سبب ایسا موقع ہاتھ آگیا جس کے باعث سے اس کو تھوڑے عرصہ میں بڑا بھاری عروج حاصل ہو گیا۔ چنانچہ جس وقت ۱۷۹۷ء میں زمان شاہ نے دوبارہ پنجاب میں آکر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ تو سکھ حسب معمول تاب مقابلہ تو نہ لائے مگر اُن کے سامان باربرداری کہیں کہیں لوٹتے رہے اور جس وقت بادشاہ واپس اپنے ملک کو جا رہا تھا تو بسبب طغیانی دریائے جہلم کے بارہ ضرب توپ دریا میں سے نکل نہ سکیں اور چونکہ ٹھہر نہیں سکتے تھے اس لئے رنجیت سنگھ کو کہہ دیا کہ اگر اسی دن توپوں کو نکلوا کر

بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دے گا تو علاوہ خطاب راجگی شہر وضلع لاہور اُس کو عنایت کیا جائے گا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے آٹھ ضرب توپ نکلوا کر پشاور پہنچوا دیں۔

لاہور جو دو ہزار سال سے زیادہ پنجاب کا دارالخلافہ رہا تھا اس وقت بعض سکھ سرداروں کے قبضہ میں تھا اور اُن کی نالیاقتی اور تشدد کے سبب سے باشندگان شہر ان سے بہت متنفر تھے۔ رنجیت سنگھ کو اُن کی طرف سے پیغام پہنچا کہ اگر وہ شہر پر قبضہ کرلے تو ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ وہ جولائی ۱۷۹۹ء میں اس پر متصرف ہو کر بخطاب راجگی فائز ہوا۔ چونکہ اس وجہ سے مہاراج کی طاقت کو بہت ترقی ہوگئی تھی۔ اس لئے دیگر مسلوں کے سرداروں کو بہت حسد پیدا ہوا۔ خاص کر بھنگی مسل متحمل نہ ہو سکی۔ اور انہوں نے ان کے مار ڈالنے تک کے منصوبے باندھے۔ ۱۸۰۲ء میں مہاراج نے ان کو بمقام امرتسر کہلا بھیجا کہ زمزمہ توپ[۱] جو ان کے حصہ میں ادنکے سردار چڑت سنگھ کے لاہور کے مال غنیمت ۱۷۶۴ء میں آئی تھی۔ اس پر قبضہ دلا دیں۔ مگر سردارانِ بھنگی نے اس سے قطعی انکار کر دیا جس پر مہاراجہ نے اُن کے قلعہ واقع امرتسر پر حملہ کر کے شہر سے باہر نکال دیا اور اُن کی تمام مقبوضات پر اپنا تصرف کر لیا۔

اس طرح سے مہاراج کا لاہور اور امرتسر دونوں پر قبضہ ہوگیا۔ اور رفتہ رفتہ ستلج کے شمال میں جس قدر مسلیں تھیں وہ سب انہوں نے فتح کرلیں حتیٰ کہ ۱۸۲۰ء تک انہوں نے جملہ مُلک پنجاب یعنی دریائے ستلج سے لے کر انڈس تک اپنے مطیع کر لئے۔ اس کے تین سال بعد پشاور بھی ملحق کیا گیا۔ ۱۸۰۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی دانشمندی سے اس بات کو فوراً دیکھ لیا کہ ان کی بے قاعدہ فوج ایک تربیت یافتہ اور قواعد دان انگریزی فوج کے مقابلہ میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ مرہٹوں اور نوابانِ بنگالہ کے کثیر التعداد افواج کے مقابلہ میں انگریزوں کے چند ہزار سپاہیوں نے وہ کارِ نمایاں دکھلائے جس سے یورپین قوموں کا رُعب اہل ہند پر جم گیا۔ دلیسی طاقتوں کے مٹ جانے یا مغلوب ہو جانے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بہادری یا جسمانی طاقت میں اہلِ ہند اہلِ یورپ سے کسی طرح کم ہیں بلکہ تاریخ کو غور سے پڑھ کر یہ بات صاف ظاہر ہو جائے گی کہ اول تو دیسی طاقتیں حالت تنزّل میں تھیں اور باہمی حسد و نااتفاقی سے اور بھی کمر ٹوٹ گئی اور دوسرے اُن کی فوجیں اگرچہ کثیر التعداد تو تھیں مگر قواعد دان نہ ہونے کے سبب سے وہ ایک کم تعداد فوج کا مقابلہ بھی ہرگز نہ کر سکتی تھیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ گو علمی لیاقت کچھ نہیں رکھتے تھے مگر

---

[۱] یہ مشہور توپ بمقام لاہور ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ نے ڈھلوا کر تیار کی تھی اس وقت لاہور کے عجائب گھر کے سامنے کھڑی ہے۔

خلقی دور اندیشی سے اُن کے دل میں یہ بات ٹھن گئی کہ انگریزوں سے ہمسری کرنے میں فوج بھی اُنہیں کے طریقہ پر تیار کرنی لازمی ہے۔ چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل میں انہوں نے بہت سے یورپین افسروں کو اپنے ملازم رکھ کر ہمہ تن اس فوج کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے سبب سے گرد و نواح کی طاقتیں ان سے بہت خائف رہتیں تھیں۔ فوج خاص کی تعداد جس کا افسر جنرل ونتورا تھا مفصلہ ذیل تھی۔

باقاعدہ پیدل	۳۱۷۶
باقاعدہ رسالہ	۱۶۶۷
توپ خانہ	۸۵۵
۳۴ ضرب توپ	
میزان کل	۵۶۹۸

اس میں فوجِ خاص کی پلٹنیں ۸۲۰ آدمی اور گورکھا پلٹنیں ۷۰۷ آدمی اور دیوا سنگھ کی پلٹنیں ۸۳۵ آدمی اور شام سنگھ سوٹا پلٹنیں ۸۱۰ آدمی شامل تھے۔

اور رسالہ کی ترتیب اس طرح تھی کہ گرینڈیر رسالہ ۷۳۰ آدمی اور ڈریگون ۷۱۰ اور ایک ترُپ لائف گارڈ ۱۸۷ آدمی۔

توپخانہ کو الٰہی بخش کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اس نام کا مسلمان اُس کا افسر تھا چنانچہ اُس کی ایسی شہرت اپنے فن میں ہو گئی تھی کہ تمام سکھ فوج میں وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا توپچی تھا۔

اس تمام دستہ فوج کی تنخواہ ~~~~ روپیہ[۱] تھی مگر مہاراجہ کے انتقال کے بعد چونکہ اُن کے جانشین اپنی سلامتی اور قائمی فوج کی طرفداری اور وفاداری پر منحصر سمجھتے تھے۔ اس لئے فوج کی تعداد اور خرچ میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ یہ فوج ایسی زبردست اور مغرور ہو گئی کہ مہاراجہ کے جانشین اور اُن کا خاندان بسبب نالیاقتی اور نزاعِ باہمی اُس کو اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکے اور آخر کار اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس طرح سے سلطان محمود نے اپنی جنیاسری فوج کا خاتمہ کر دیا اور اُن کے پنجہ سے نجات پائی اُسی طرح حکمران پنجاب نے لاچار ہو کر یہ ہی مصلحت سمجھی کہ اُن کو انگریزوں کی طرف متوجہ کر کے نیست و نابود کرا دے۔ مگر چونکہ مہاراج اور دھیان سنگھ وغیرہ جیسے وزیر لوگ اس وقت موجود نہ تھے۔ اس لئے اُن کو یہ بات بھول گئی تھی کہ اسی فوج کی بدولت شیرِ پنجاب کا رُعب اور دبدبہ تھا اور اگر یہ طاقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ قدرت میں نہ ہوتی تو انگریز تو درکنار وہ پٹھانوں کا بھی مقابلہ نہ کر سکتے اور جس سہولیت سے شاہ اودھ کے ظلم اور زنانہ پن کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اُسی طرح اُن کی بھی حالت

---

[۱] بقول نثار الحسن لودھی یہ رقم ۵,۶۶۷ روپے بنتی ہے۔ (پبلشرز)

ہوتی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے لے کر آخر وقت تک یعنی اُن کے جانشینوں کے عہد حکومت میں جو جو ترقی ہوتی رہی اور خرچ بڑھتا گیا وہ مفصلہ ذیل کیفیت سے واضح ہو جائے گا۔

	نام راجہ	تعداد	اتواپ	خرچ
۱۸۳۹ء	مہاراجہ رنجیت سنگھ	۲۹۱۶۸	۱۵۲	۳۸۲۰۵۸
۱۸۴۰-۴۳ء	مہاراجہ شیر سنگھ	۵۰۰۶۵	۳۲۲	۵۴۸۶۰۳
۱۸۴۴ء	راجہ ہیرا سنگھ	۵۰۸۰۵	۲۸۲	۶۸۲۹۸۴
۱۸۴۵ء	سردار جواہر سنگھ	۷۲۳۷۰	۳۸۱	۸۶۲۶۹۶

کشادہ یعنی بے قاعدہ رسالہ میں کچھ نمایاں زیادتی نہ ہوئی اور ۱۸۴۵ء کے آغاز میں اُن کی تعداد ۱۶۲۹۲ تھی اور جملہ افواج سکھ شروع لڑائی میں حسب ذیل تھی۔

باقاعدہ پیدل	۵۳۷۵۶
باقاعدہ رسالہ	۶۲۳۵
کشادہ رسالہ	۱۶۲۹۲
توپخانہ	۱۰۹۶۸
شُتری توپخانہ	۵۸۴
متفرقات	۸۲۷
میزان کل	۸۸۶۶۲ - آدمی

توپیں جنگی ۳۸۰ برائے قلعجات ۱۰۴ کل ۴۸۴ - شُتری توپیں ۳۰۸

امدادی افواج جو مختلف سرداران مہیا کرتے تھے اگرچہ اُن کی تعداد مفصل معلوم نہیں مگر تخمیناً ۳۰۰۰۰ - آدمی سے کم نہ تھی۔ مگر بموقعہ نمود و جلوس یہ نہایت ہی خوش وضع و خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ زیادہ تر اس سبب سے بھی کہ اکثر ان میں سے جاگیرداروں کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے پُر تکلف قیمتی لباس پہن سکتے تھے اور چونکہ ہر ایک مہاراجہ کو خوشنود کرنا چاہتا تھا اس لئے جہاں تک ممکن تھا ایک دوسرے سے اپنے لباس کی آراستگی میں سبقت و فوقیت لیجانا چاہتا تھا۔ اگرچہ ان کی پوشاک ایک ہی قسم کی نہ تھی مگر رُنگی ریشم و زربفت کے کپڑے و سنہری زرہ وغیرہ از حد خوشنما معلوم ہوتی تھی۔

باقاعدہ فوج کی وردی انگریزی طور پر تھی اور تنخواہ بھی بہت معقول مقرر تھی یعنی پیدل سپاہی کی

دس روپیہ ماہوار اور سوار کے پچیس روپے۔ غرض مہاراجہ کی ہمہ تن کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنی فوج کو نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی کو پہنچا دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس خیال سے تو قابلِ تعریف تھے ہی کہ انہوں نے اپنی نگرانی اور بیحد کوشش سے ایک باقاعدہ فوج کو آراستہ کر لیا مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز بات اُن کی خداداد سمجھ کی یہ ہے کہ ایک ایسے زمانہ میں جبکہ تمام اطراف میں اُن کے ہمسر تو کیا بلکہ ان سے زیادہ مضبوط ہمعصر موجود تھے اور اُن کو پامال کرنے کے لئے ہر وقت کوشش میں لگے ہوئے تھے اپنے تھوڑے سے جتھے کے ساتھ سب کو مغلوب کر لیا اور ایک ایسی ضرورتِ ملکی کو فوراً محسوس کر کے اُس پر عمل کا رنگ جما دیا جو کہ اُس وقت کے دلیسی حکمراں بالکل نہ سمجھ سکے اور نہ ہی اُن میں یہ مادہ تھا کہ تنزل کی حالت میں اپنے ملک کو شکستگی سے محفوظ رکھتے۔ اگرچہ اس تہذیب اور ترقی کے وقت میں لازمی ہے کہ ہر ایک شخص و قوم بموجب رفتارِ زمانہ ترقی کرے اور واقعات سابقہ جو تاریخ میں بکثرت ہیں مدنظر رکھ کر اُن سے سبق حاصل کرے ورنہ وہ پس پا ہو کر منہدم ہو جائے، مگر اب بھی ایشیا میں وہ خودمختار قومیں ہیں جو بالکل اپنی ذلیل حالت سے بیخبر ہیں اور یہ حیرت انگیز مشاہدہ ہے کہ مہذب قوموں کے ولولہ انگیز اور پُرشکوہ رفتار کے شور و غل سے بھی اُن کو بیداری نہیں ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی عجیب زندگی اس لحاظ سے اور بھی قابل قدر ہونی چاہیئے۔

اون کے انتظام ملکی میں اگرچہ موجودہ زمانہ کی قانونی باریکیاں نہ تھیں مگر حتی الامکان وہ ہندو و مسلمانوں میں بہت کم تمیز کرتے تھے اور اگر کچھ اُن کی عملداری میں تکلیف اور حقارت اہل اسلام کو ہوئی بھی تو وہ حکمراں قوم کے جاہل اور سرکش لوگوں کے اثر سے ہوئی۔ ورنہ مہاراجہ کو ذاتی کچھ کینہ و عداوت نہ تھی۔ خودمختار اور شخصی سلطنت میں رعایا کی قسمت کا فیصلہ اور اُن کی آسائش و تکلیف حکمراں کے ذاتی اوصاف و تعلیم پر من کل الوجوہ قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر تو بادشاہ سلیم الطبع انصاف پسند منتظم اور رعایا کا سچا خدمت گزار ہو تو پھر کوئی بھی ملک ایسا خوش قسمت اور باامن و خوشحال نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ تن پرور کم لیاقت اور متعصب ہو جیسا کہ عموماً قاعدہ ہے تو ایسے ملک میں بجز تباہی اور ظلم کے اور کسی چیز کی اُمید نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور بڑی بدنصیب ہے وہ رعایا جو ایسے حکمراں کے قبضۂ قدرت میں ہو اس کی مثل ویسی ریاستہائے ہندوستان میں بکثرت پائی جاتی ہے اور اگرچہ انگریزی افسر اپنی اپنی لیاقت کے مطابق اپنی نگرانی کرتے ہیں مگر تاہم بھی وہ دردناک سازشیں اور زنان خانوں کی بدعملیوں کا اثر جو ان رئیسوں کی طبیعت میں خوگر ہو جاتا ہے۔ رعایا کی بیکسی اور ان پر ظلم کا ایسا باعث ہوتا ہے کہ ناگفتہ بہ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گورنمنٹ برطانیہ جو ان کی سرپرست اور نگراں ہے اور جس نے ان کی خوش نظمی کی ذمہ داری کا بار اپنی

گردن پر لیا ہے اس خطرناک حالت کی جواب دہ ہے۔ یہ امر واقعی قابلِ اظہار ہے کہ چند دیسی ریاستیں ایسی بھی اب موجود ہیں جو انہیں لائق، روشن دماغ، آسودہ اور مہذب رئیسوں کے بہت سے مشہور ہیں اور جن میں انتظام ملکی و ثروت و تعلیم انگریزی ملک سے بہت بہتر۔

اس مکالمہ کے اختتام پر میں اس بات کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ تو میں لکھنؤ کا رہنے والا ہوں اور نہ ہی میری زبان اردو ہے اس لئے جو بے شمار غلطیاں ترجمۂ کتاب میں موجود ہیں اور وہ شائقین کو مُنَغّص کرنے کا لازمی طور پر باعث ہونگی ان پہ اگر چشم پوشی سے عبور کیا جائے تو میں اپنی محنت کو رائیگاں خیال نہ کروں گا۔

جن صاحبان نے اس کتاب کے ترجمہ کی درستی میں مجھے مدد دی ہے مثلاً منشی کریم بخش اہلکار جناب بھائی صاحب خان محمد باقر علی خاں صاحب و بعض دیگر صاحبان نے، ان کا میں بہت ممنون ہوں۔ سر ایل گریفن صاحب گارڈنر صاحب اور ہربرٹ صاحب اور سمتھ صاحب و دیگر مؤرخانِ انگریزی سے بہت کچھ مدد حاصل ہوئی ہے۔

جو تصاویر کتاب میں درج کی گئی ہیں وہ نہایت کوشش سے حاصل کی گئی ہیں اور اُن کو قطعی معتبر خیال کرنا چاہیئے۔ فقط

محمد ذوالفقار علی خاں خوانین مالیر کوٹلہ

لاہور ۲۵ر نومبر ۱۹۰۵ء

قطعۂ تاریخ طبع دربار رنجیت سنگھ طبع زاد منشی کریم بخش کریمؔ
اہلکار خانِ دوران حضور محمد باقر علی خاں صاحب خوانین مالیر کوٹلہ

ہوائے چمن دامن دل گرفت — کہ گہ دم بہ گلشن تفرج کناں
کہ تا گل شود غنچۂ خاطرم — زباد صبا و ز آبِ رواں
ہماندم کہ آہنگ کردم بسیر — بگوشم رسید ایں ندا ناگہاں
کہ اینک کتابے عجب دلپذیر — بہ شستہ مضامین خوش داستاں
بحالات دربار رنجیت سنگھ — کہ اُو شیرِ پنجاب بُد بیگماں
بہ کیفیت بزم جمشید وش — بہ سرگرمئ رزم رستم نشاں
نوشتہ بہ انگلش زباں آسبرن — ازو ترجمہ کرد خانِ زماں
فزودہ برآں واقعات عجیب — ز تاریخ انگلینڈ و ہندوستاں
کہ او ثمرۂ خورمی بردہد — ہم او مایۂ دانش داوراں
تمتع ازو یافتہ چوں کریمؔ — بہ تاریخ طبعش کشادہ زباں
سنِ ہندی[1] و ہجری[2] و عیسوی[3] — برآیند زیں چار مصرعہ رواں
بہ تفریح دربار رنجیت سنگھ — تمنائے گل گشت گلشن مراں
٥ ١٩ء — ٦٢ ١٩ بکرمی
چمن ہم نہ بخشد چنیں فرحتے — معنبر شدہ زو مشام رواں
٥ ١٩ء — ٢٣ ١٣ ہجری

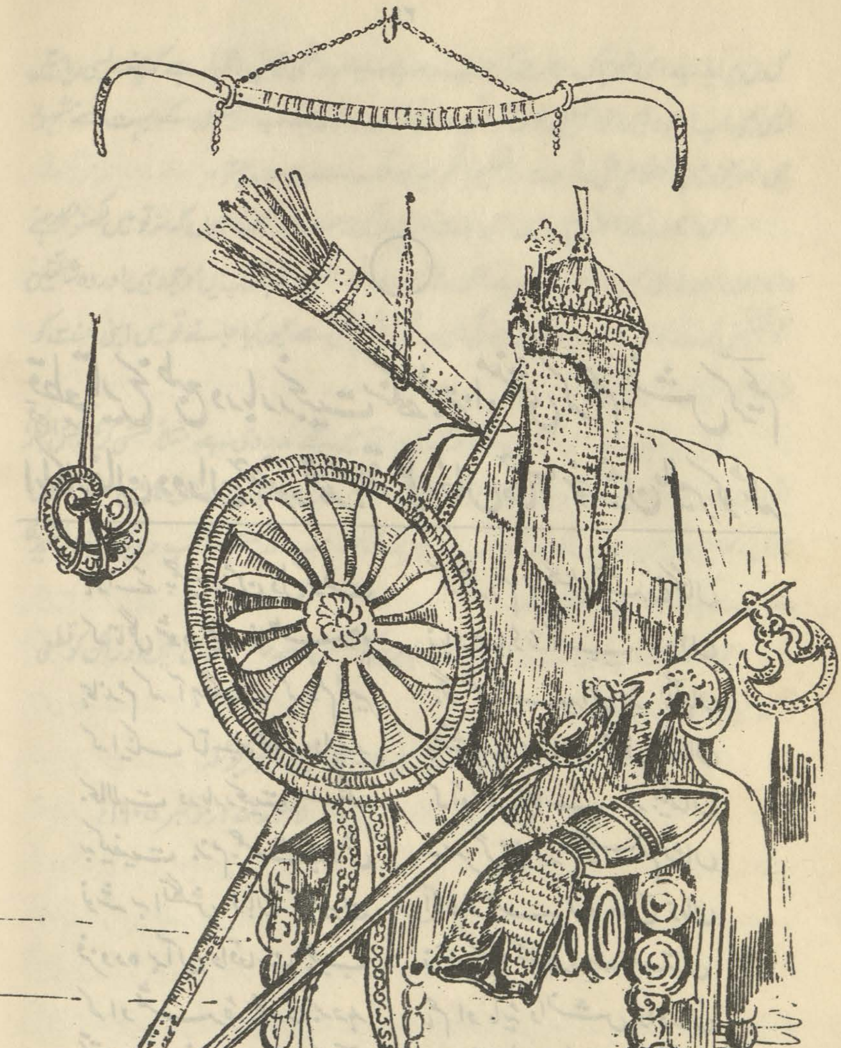

زرہ بکتر عہدِ سکھاں

دیباچہ

ہندوستان کے پولٹیکل معاملات اور تاریخ پر اوّل تو لوگوں کو توجہ ہی بہت کم ہے اور اگر شاذ و نادر کسی کو کچھ خیال آیا بھی تو سرسری۔ رنجیت سنگھ کے نام سے اگرچہ بہت لوگ مانوس ہیں مگر وہ اُس کے اور اُس کی قوم کی آغاز سے جس پر وہ حکمراں تھا پورے طور پر واقف نہیں۔

اس لئے یہ مناسب خیال کیا گیا ہے کہ مختصر تمہیدی بیان ان دونوں کا اس بات کے لئے موزوں ہوگا۔ اور نیز وہ وقائع بھی جن کا لکھنا ہمیں منظور ہے زیادہ دلچسپ ہو جائیں گے۔

سلطنت مُغلیہ جس کی بنیاد بابر نے ۱۵۲۵ء میں غوری یا افغانی خاندان کے کھنڈرات پر رکھی۔ اُس کے نبیرہ اکبر کے عہد میں جو ۱۵۵۶ء میں اپنے باپ ہمایوں کا جانشین ہوا نہایت ہی تزک و شان کی بلندی پر پہنچ گئی تھی۔

اُس کے تنزل کی ابتدا اس عالیشان بادشاہ کی وفات کے بعد شروع ہوئی خیال کی جاسکتی ہے اگرچہ اس کی پہلی عظمت اور رونق اورنگ زیب کی دانشمندی اور دلاوری سے دوبارہ زندہ ہوگئی مگر اُس کے لمبے اور فراست آمیز عہد سلطنت کے بعد اُس کی اصلی طاقت کا خاتمہ ہو جانا شروع ہو گیا تھا۔ کمزور اور نالائق شہزادوں کی تخت نشینی سے جو ملک داری کے سلیقہ اور فنون سپاہگری سے صرف ناواقف ہی نہ تھے بلکہ اپنے مقربین کے زیر تسلّط اور حرم سرائے عیش و نشاط میں مستغرق رہتے تھے یہ اٹل نتائج پیدا ہوئے کہ جو صوبے دارالخلافہ سے دور دراز فاصلے پر تھے ان کے حکمراں امرا و صوبہ داروں میں بغاوت و سرکشی پیدا ہو گئی۔ اس شورش کو مرہٹوں کے عروج نے جو ایک ہندو قوم ہے ملکہ اور بھی ترقی دے دی۔ اور انہوں نے یہ بات دل میں ٹھان لی کہ ان مسلمان حکمرانوں کے بزرگوں نے جو بدسلوکیاں ان کے ساتھ کی تھیں اُن کا عوض اب ان سے لینا چاہیئے۔ اورنگ زیب نے ۱۷۰۷ء میں انتقال کیا۔ اور تیرہ سال کے عرصہ میں چار مختلف بادشاہوں نے تخت پر جلوس کیا۔ اس کے بعد

محمد شاہ کا عہد شروع ہوا۔ اور صوبہ جات میں ان کے عہد کی کمزوری فوراً معلوم ہونے لگی۔ اور اُن میں بدنظمی اور نزاع باہمی برپا ہوئے۔ مرہٹوں نے بھی موقعہ ہاتھ سے نہ دیا۔ مالوہ اور گجرات تو انہوں نے پہلے ہی فتح کر لیا تھا۔ اور اس کے علاوہ دیگر اطراف میں بھی بیحد زیادتیاں کر رہے تھے۔ اب دارالخلافہ کی طرف بھی حملہ آور ہوئے۔ محمد شاہ نے بزدلی سے اپنے آپ کو ان زبردست حملہ آوروں سے بچانے کی غرض سے چوتھ دینا قبول کر کے امن قائم رکھنا چاہا لیکن اُس کو بمشکل اس خطرہ سے نجات ہوئی تھی کہ اس سے بھی زبردست اور خوفناک طوفان اس ناشاد اور بدنظم سلطنت پر ٹوٹ پڑا۔ وہ شہرۂ آفاق نادر جو ایک ادنیٰ حیثیت سے تختِ ایران پر قابض ہو گیا تھا اور جس نے اپنی فتوحات و ملک گیری سے اپنے نام کو ہیبت انگیز بنا لیا تھا۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا عازم ہوا۔ یہ مہم اُس کی پہلی کامیابیوں سے بہت زیادہ نمایاں تھی۔ ہندوستان پر بارہا شمال کی طرف سے جنگجو قومیں حملہ آور ہوتی رہی تھیں مگر موجودہ حالت میں اس کی بے انتہا دولت کے لالچ سے تو نادر کے دل میں ولولہ پیدا ہونا ہی تھا مگر اس کی اندرونی کمزوری کے سبب سے اُس کو یہ اور بھی آسان شکار معلوم ہوتا تھا۔

اب اس اتحادِ دوستانہ کو جس کے قائم رکھنے کے واسطے نادر نے شاہِ ہندوستان سے اپنی خواہش ظاہر کی تھی توڑنے کے لئے ایک معقول عذر بلکہ کافی وجہ مل گئی اور اس لئے ۱۷۳۸ء میں وہ ہندوستان کی طرف رُخ کر کے زُود رفتاری اور کامیابی سے آگے بڑھنے لگا اور جملہ صوبہ داران (گورنران) نے اُس کے غضب سے خائف ہو کر فی الفور اطاعت منظور کر لی۔ نادر نے سلطانی فوج کو شکست دے کر دہلی میں قتل عام شروع کیا اور اس کو بے شمار روپیہ لوٹ میں ہاتھ آیا۔ مراجعت کے وقت اس قدر مال و دولت اُس کے ساتھ تھا کہ اُٹھانا مشکل ہو گیا۔ غنیمت کا اندازہ جس میں شاہی خزانہ اور جواہرات شامل تھے مختلف طور پر تین کروڑ سے سات کروڑ اشرفی تک کیا گیا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ قابل قدر تختِ طاؤس تھا جو ہر قسم کے بیش بہا جواہرات سے مرصع تھا۔ اور نیز بے نظیر اور خوبصورت کوہ نور ہیرا بھی اس میں لگا ہوا تھا۔

نادر نے شرائط صلح میں دریائے انڈس کے مغرب کی طرف کا تمام ملک اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور محمد شاہ کو اُس کے ذلیل تخت پر پھر بٹھا کر ۱۴ اپریل ۱۷۳۹ء میں دہلی سے جس پر وہ ۳۷ دن تک قابض رہا کوچ کیا۔ نادر اس واقعہ کے آٹھ سال بعد تک زندہ رہا مگر ان میں سے پانچ آخری سالوں میں اُس کی طبیعت میں ایسا خطرناک انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور اُس کی بے رحمی اس حد تک بڑھ گئی کہ بڑے بڑے اُمرائے سلطنت نے جن کے قتل کا ارادہ اُس نے کر رکھا تھا ایک باہمی سازش کی اور

اپنے آپ کو بچانے کی غرض سے ایک مصمم ارادہ کر کے اُس کو قتل کر دیا۔ نادر کی وفات کے بعد جو ابتری پیدا ہوئی اُس میں خزانہ کا ایک حصہ احمد خاں کے قبضہ میں آ گیا جو اس کے بڑے دلاور افسروں میں سے تھا اور وہ بھاگ کر خراسان کی طرف چلا گیا اور وہاں بھی ایک کثیر رقم جو ہندوستان سے نادر کے واسطے جا رہی تھی اُس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے نام کو شاہی خطاب سے ملقب کر لیا۔ اور کسی قدر مخالفت کے بعد قندھار میں تاج پوشی کا جشن کیا۔ جنگجو اور خود مختار قوم جس پر احمد شاہ نے حکمرانی شروع کی کبھی مقامی بادشاہ کے تحت میں نہیں رہی تھی اور ہمسری کے دعوے سے جو اُن کی طبیعت میں نمایاں طور پر جوش زن تھا یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کے اتفاقیہ عروج کو بغیر حسد کے قبول کر لیتے۔ اس لئے اُس نے اپنی قوم کو اپنا ہمدرد بنانے کی غرض سے اُن کو اپنے مقبوضات پر قابض رہنے دیا۔ اور اُن کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ اور اُن کے حقوق بھی بدستور قائم رہنے دیئے۔ مگر باوجود ان باتوں کے بھی وہ اپنی سلطنت کی مضبوطی کو بیرونی فتوحات پر منحصر سمجھتا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ کامیابی کے ساتھ لڑائی اُس کے نام کو روشن کر رہی تھی اور اس سبب سے وہ افغان سرداروں کو مہربانی اور انعامات کے ذریعے سے اپنا حامی مددگار بنانا چاہتا تھا۔ اور چونکہ وہ فنونِ جنگ کی کامل قابلیت رکھتا تھا اس لئے ہر ایک کے دل پر اُس کا دلاورانہ خوف غالب آ گیا۔ خاص کر سپاہی تو اس کے دلی جاں نثار ہو گئے تھے۔ ایران کے ساتھ لڑنے سے جو تجربہ اور تربیت حاصل ہوئی تھی اُس کے سبب سے اُس کی دُرانی فوج ایشیا میں نہایت ہی قابل اور جری ہو گئی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ نے ہندوستان کو پہلے ہی کمزور کر دیا تھا اور سلطنت کا ضُعف بھی ثابت ہو چکا تھا اس واسطے اب احمد شاہ کو اس پر حملہ آور ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اور امور سلطنت مُغلیہ پر بغور مشاہدہ کرنے کا موقع اس کو نادر شاہ کے ساتھ حملہ کرنے کے وقت مل چکا تھا۔ محمد شاہ کی نالیاقتی امراء کی باہم نااتفاقی و سازشیں اور شاہی حکومت کی لاپرواہی۔ غرض ان سب باتوں نے اُس پر بڑا اثر کیا۔ افغانستان میں تو اُس کو ہر قسم کی کامیابی حاصل ہو ہی چکی تھی۔ اور دہلی کے واقعات و حالات جو اُس نے دیکھے اور سُنے تھے اُس سے اُس نے دہلی پر یورش کرنے کا فوراً ارادہ کر لیا۔

وزیر قمر الدین خاں نے اور اُس کی موت کے بعد جو بحالت ادائیگی نماز دُرانی توپ کے گولہ سے اتفاقیہ واقع ہوئی۔ اس کے بیٹے میر منّو نے ایسا جم کر مقابلہ کیا کہ احمد شاہ نے مناسب سمجھ کر برائے چندے اپنے منصوبوں کو ترک کر دیا۔ اور دریائے سندھ سے عبور کر کے جلدی سے پسپا ہو گیا۔ صوبہ پنجاب جس کو

اس نے تاراج کیا تھا دوبارہ سلطنت مغلیہ کے تحت میں آگیا اور بادشاہ نے میر منّو کو اُس کی خدمات کے عوض میں جو اُس نے اس موقع پر ادا کیں بھتیں لاہور و ملتان کا وائسرائے بنا دیا۔ ابدالی کا حملہ اور سلطانی فوجوں کے اُس طرف مشغول ہونے کے سبب سے سکھوں کے واسطے لوٹ مار کرنے کے لئے بہت اچھا موقع پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ ان کی بہت دفعہ گوشمالی ہو چکی تھی۔ مگر قرار واقعی سرکوبی نہیں ہوئی تھی اس لئے سکھ لوٹیروں نے بڑی جمعیت کے ساتھ نکل کر ہر طرف غارتگری شروع کر دی تھی۔ میر منّو کے انتظام کے سبب سکھوں کو مجبوراً ملک سے بھاگ کر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا پڑا۔ ان کے فرقہ و مذہب کے لئے مریدوں کی تعداد اب بہت کم ہونے لگی۔ اور ملک میں امن و امان پھر قائم ہو گیا۔

سکھوں کا نام ایک سنسکرت لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی چیلہ کے ہیں۔ اس فرقہ کے بانی گرو نانک صاحب تھے جو صوبہ لاہور کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۴۶۹ء میں ہوئی اور بچپن ہی سے اُن کی طبیعت کا میلان دھیان گیان کی طرف تھا اور دنیاوی معاملات سے بالکل بے توجہی تھی۔ فقیروں سے ملنے جلنے سے اس میلان کو اور ترقی ہوئی اور وہ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ فقرا و غربا میں بانٹتے تھے۔ اُن پر عالم رویا و الہام اکثر طاری ہوتا تھا اور مذہب کی ترقی کے لئے وہ اپنے اوپر بے انتہا سختیاں برداشت کرتے تھے۔ اس مدّعا سے کہ سچّے خدا کی پرستش کی جس کو ہندوؤں کی بت پرستی اور مسلمانوں کی جہالت نے خراب و ذلیل کر رکھا تھا نئے سرے سے اصلاح کریں۔ اس نیک ارادہ سے وہ ہندوستان کے شہروں میں پھرے اور خدا کی واحدانیت اور بزرگی کے اصولوں کا وعظ ہر طبقہ کے لوگوں کو سناتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو نفاق کا دشمن ظاہر کر کے کہا کہ سوائے اس امر کے کہ مذہب اسلام و ہنود کو یکجا کر دیں اُن کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اور اس مدعا کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے یہ کوشش کی کہ ہندوؤں و مسلمانوں کو وہ پاکیزہ اور سچّے اصول جتلائے جن کو وہ دونوں فرقے تسلیم کرتے تھے اور اُن کو اُن بے شمار غلطیوں سے جن میں وہ پڑ گئے تھے نکالنا چاہا۔ متعصب ہندوؤں نے گرو نانک کی سخت مخالفت کی لیکن شہنشاہ بابر جن کے سامنے وہ دوران سفر میں پیش ہوئے تھے اُن سے نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ وہ اعلیٰ قابلیت اور فہم کے آدمی تھے اُن کی عظمت و بزرگی اُن کی اُن کامیابیوں سے ظاہر ہوتی ہے جو مخالفتوں کے پیش آنے پر بھی اُن کو حاصل ہوتی رہیں۔ اُن دنوں میں جبکہ وہ متواتر ہندوؤں و مسلمانوں کو اُس اعلیٰ اصول کا جو خدا کی عبادت اور انسان کی محبت سکھلاتا ہے پرچار کرتے رہے۔ اگرچہ انہوں نے دو بیٹے چھوڑے لیکن انہوں نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی اپنا مذہبی جانشین ہونے کے قابل نہ سمجھا بلکہ ایک چھتری کو جس کا نام انگد تھا اور موزوں روحانی

سے آگاہ کر دیا اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ گرو انگد نے بھی گرو نانک صاحب کے اصولوں کی تعلیم دی اور ان دونوں کے کلام کے چند حصے ایک کتاب موسومہ گرنتھ صاحب میں موجود ہیں۔ اس کتاب کی شہرت بہت پھیلی۔ اور رفتہ رفتہ اس کے پیروؤں کا ایک جدا فرقہ بن گیا جس کی شناخت دوسرے باشندوں سے ایک خاص لباس اور مختلف عادات سے ہوتی تھی۔ یہ لوگ غیر مذہب والوں سے الگ جُدا گاؤں جاکر رہتے تھے جہاں اُن میں سے ایک شخص بحیثیت پنچ کے کام کرتا تھا۔ نانک صاحب کے بعد نو جانشین اس عہدہ داری پر قائم ہوئے۔ اور ان ایام میں سکھ صُلح کلی اور بے آزاری سے زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر گرو گوبند صاحب کے خیالات و منصوبے جو دسویں یعنی آخری گرو تھے گرو نانک صاحب سے بہت مختلف تھے کیونکہ اُن کے چیلوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ فن حرب سیکھیں اور اس لئے اُن کو ٹرپوں میں تقسیم کیا گیا۔ معتمد آدمی اُن کے سردار مقرر کئے گئے۔ اور ملک میں غارتگری کرنے کی ترغیب دی گئی۔ گرو ماتا یعنی سٹیٹ کونسل جس کے ذریعہ سے کہ انہوں نے سکھوں کی جمہوری حکومت کو اجتماعی شکل میں بنا دیا انہیں کی تدبیر سے قائم ہوئی۔ اُن کی ترقی اور زیادتیوں نے آخر کار شاہی گورنمنٹ کو انتقام لینے پر آمادہ کر دیا۔ اور بہت سے انقلاب کے بعد جو تدابیر اور انتظام اُن کی بیخ کنی کے لئے کئے گئے تھے وہ ایسے مضبوط و مُسلسل تھے کہ تقریباً تیس سال تک (یعنی نادر شاہ کے حملہ تک) انہوں نے پھر سر نہ اُٹھایا۔ مگر نادر شاہ کے حملہ نے اُن کو پھر موقعہ خروج کا دے دیا۔ اور انہوں نے پنجاب میں پھر شورش برپا کر دی۔ سلطنت کی کمزوری اور نادر شاہ کی وفات نے جس کے سبب سے صوبہ جات پنجاب اور کابل میں ابتری پھیل گئی تھی سکھوں کو اور بھی زیادہ دلیر کر دیا۔ اور اُن کے مرید روزانہ ترقی کر کے اُس جھنڈے کے سایہ میں جمع ہوتے گئے جس کے ذریعہ سے لوٹ مار کو ایک کمال اور رہزنی کو فرض خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس لئے انہوں نے پنجاب کے بہت بڑے حصہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اس سے پہلے کہ صوبہ لاہور کو اس کے نتائج کی قباحت معلوم ہو یہ مصیبت دور تک پھیل گئی۔ تاہم اُس نے اُس کے دفعیہ کی بیحد کوشش کی۔ آخر کار وہ خود آمادۂ کارزار ہوا۔ اور پوری سرکوبی کے بعد ایسے سخت قوانین مرتب کئے کہ اُن کی پابندی کی وجہ سے مریدوں کی ایذا دی اور گرو صاحب کے جاں نثاروں کے جوش میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

۵۱-۱۷۵۲ء میں احمد شاہ دریائے انڈس سے عبور کر کے پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ وزیر منّو کو لاہور کے قریب شکست ہوئی۔ اور اس نے لاہور کی قلعہ بندی کو ناکافی سمجھ کر بحالت مجبوری بادشاہ کی اطاعت منظور کر لی۔ بادشاہ کو اس افتتاحی کامیابی سے بہت مسرت ہوئی اور اس نے میر منّو کو اپنی طرف سے پھر ملتان اور لاہور کا وائسرائے بنا دیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وائسرائے کے انتقال ہونے پر اُس کی

بیوہ نے اپنے نابالغ بچہ کی نیابت میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لیکن ایک عورت کے عہدِ حکومت میں سکھوں کے جتھے کو دبانے کی کچھ سرگرمی ظاہر نہ ہوئی۔ اس لحاظ سے اُن کی تعداد اور جرأت میں پھر روز افزوں ترقی ہوتی گئی اور اُن کی لوٹ مار کا سلسلہ روز بروز زیادہ خطرناک ہونے لگا اور تمام صوبہ میں ہر وقت بدنظمی اور ابتری رہنے لگی۔ چار سال کے وقفہ کے بعد احمد شاہ پھر آن موجود ہوا اور پنجاب و سرہند پر قبضہ کر کے دونوں کی حکومت کو اپنے بیٹے تیمور کے سپرد کر دیا۔ اور خود کابل کو واپس چلا گیا۔ ۱۷۵۷ء میں ادینہ بیگ نے جو دُرّانی حکومت سے منحرف ہو گیا تھا۔ مرہٹوں کو پنجاب میں آنے کی ترغیب دی۔ اِدھر شہزادہ تیمور نے جب یہ دیکھا کہ وہ اس طوفان کو روک نہیں سکتا تو مجبوراً علیحدگی اختیار کی۔ مرہٹوں کو اب ایسا عروج حاصل ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں ان کو سب طاقتور قوم تسلیم کرنے لگے تھے۔ اس لئے مسلمان صوبہ داروں کو اپنی ریاستوں اور خود مختاری کے قائم رکھنے کے لئے اتنا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ احمد شاہ کا انڈس سے مشرق کی طرف آنا ہندوستان کی ایک بڑی جماعت نے نہایت خوشی کی نظروں سے دیکھا۔ بادشاہ کی آمد پر مرہٹے بھاگ نکلے۔ اور تعاقب ہونے پر بسبب کمی رسدات کے لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ مگر اس لڑائی میں ان کی ایک جرار فوج جس کی تعداد اسی ہزار تھی قطعی طور پر تباہ ہو گئی۔ دربار پونا نے بے انتہا کوشش کی کہ اس مصیبت کی کچھ تلافی کی جائے اور اپنے پہلے غلبہ کو پھر حاصل کریں۔ اس لئے جملہ سپاہ کی فراہمی کا حکم دیا اور ایک بے انتہا فوج کے ساتھ بڑے بڑے خاندانوں کی سرکردگی میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ۷ جنوری ۱۷۶۱ء میں بمقام پانی پت یہ آخری ہنگامہ برپا ہوا۔ بڑے بھاری کشت و خون کے بعد افواج مرہٹہ کو کلی طور پر شکست ہوئی اور ان کی طاقت سر دست نیست و نابود ہو گئی۔

اس دفعہ بادشاہ نے لاہور اور سرہند کو مستقل طور پر اپنے ملک میں شامل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس نے پنجاب میں زیادہ قیام نہ کیا۔ اور چونکہ وہ گورنر جو مامور کیا گیا تھا اپنے پاس بہت خفیف فوج رکھتا تھا اس لئے ملک پر مضبوطی کے ساتھ قبضہ نہ رہ سکا۔ سکھوں نے اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر مختلف مقامات کے قلعہ جات کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور اپنی طاقت و دولت کو بہت ترقی کے درجہ پر پہنچا دیا۔ علاوہ اوروں کے رنجیت سنگھ کے بزرگوں کی بہت جلد شہرت قائم ہو گئی اور وہ اپنے اولوالعزم ارادوں سے ممتاز بن گئے۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ یہ خبر سُن کر کہ سکھوں نے پھر سر اٹھایا ہے بذریعہ یرغال جس کا وہ بڑا مشاق تھا انڈس کے کنارے پر آموجود ہوا۔ اور سکھوں پر حملہ کر کے بہت کشت و خون کے بعد اُن کو شکست دی اور حفاظت ملک کے واسطے دریائے انڈس کی طرف مناسب انتظام

کر کے پھر کابل کو واپس چلا گیا۔

اس کے پیٹھ پھیرنے کی دیر تھی کہ سکھ پھر میدان جنگ میں آموجود ہوئے۔ اور سرہند پر حملہ کر کے مسلمان گورنر کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اور وہ شکست کھا کر مارا گیا۔ اس دلیرانہ جرأت کے سبب سے احمد شاہ ساتویں دفعہ پھر ہندوستان پر چڑھ آیا۔ اُس کے آتے ہی سکھ تتر بتر ہو گئے۔ مگر اس نے جانچ لیا کہ اس آفت کا علاج اور سکھوں کا دبانا مشکل ہے۔ چنانچہ اُس کے جانے کے بعد وہ پھر جمع ہو کر لاہور کے مالک بن بیٹھے۔ احمد شاہ اس گستاخی کی سزا دینے کے واسطے پھر لوٹا۔ مگر سکھ اُس کے آنے سے پہلے بھاگ گئے۔ اس دفعہ اور پیچیدگیوں کے سبب سے اُس کو بہت جلد کابل واپس جانا پڑا۔ اور اس کے بعد سکھ پنجاب پر متسلط ہو گئے۔ اور انہوں نے اسے اپنی مستقل وراثت سمجھ کر بلاچون وچرا اس پر قبضہ کر لیا۔ سکھ سرداران کے ساتھ لڑائی میں بجائے تنخواہ دار سپاہیوں کے اُن کے رشتہ دار ہوا کرتے تھے جو اپنے آپ کو ہر ایک لڑائی میں حصہ دار اور رفیق خیال کرتے تھے۔ اور مقبوضہ ملک کو ایک مشترک جائیداد قرار دے کر اپنی خدمات کے مطابق حصہ پاتے تھے۔ ان جرگوں کو (مسل) کہتے تھے۔ اور ایسی مسلیں بارہ تھیں اور یہ مسلیں میدان جنگ میں ستر ہزار سوار فراہم کر سکتی تھیں۔ ان مسلوں میں سے چھڑت سنگھ کے مسل کی جو رنجیت سنگھ کا مورث اعلیٰ تھا سب سے کم تعداد تھی۔ لیکن جملہ قوم سکھاں کی کچھ ایسی غیر مستقل حالت تھی۔ اور گرو ماتا یعنی سٹیٹ کونسل کی حکومت ایسی ضعیف تھی اور سرداروں میں سازش اور بلند نظری کی کچھ ایسی ہوا پھیلی ہوئی تھی کہ ہر جری اور لائق شخص کو اقتدار حاصل کرنے کا بڑا بھاری موقعہ موجود تھا۔ رنجیت سنگھ ۲ر نومبر ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ مہان سنگھ ایک چست اور دلیر سردار تھا جس نے اپنی مردانگی کی وجہ سے پہلے ہی شہرت پیدا کر لی تھی۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ بہت سے خود مختار سرداروں نے اُس کی اطاعت منظور کر کے لڑائی میں اُس کی رفاقت اور اس کے زیر سایہ نگرانی میں رہنا قبول کر لیا تھا۔ متواتر کامیابیوں نے جو اس کو اپنے ارادوں میں حاصل ہوئیں۔ نیز اُن تعلقات نے جو اُس نے پیدا کر لئے اس کو ایسا مقتدر بنا دیا کہ کوئی سردار حکومت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس فوقیت کا نتیجہ ملک کے واسطے بہت مفید ہوا۔ کیونکہ پنجاب سے جو امن وامان اُٹھ گیا تھا۔ وہ پھر قائم ہو گیا مہان سنگھ ۱۷۹۲ء میں ۲۷ سال کی عمر میں کہ عنفوان جوانی کے دن تھے۔ شجاعت، مردانگی، فراست کے اعلیٰ درجہ کی شہرت چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ رنجیت سنگھ اس کا اکلوتا بیٹا ۱۲ سال کی عمر میں اُس کا جانشین ہوا۔ نوعمر راجہ کی تعلیم وتربیت کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوئی تھی۔ اور اُس کی ابتدائی زندگی سیر وشکار میں صرف ہوئی اور اُس کو کسی زبان میں لکھنا پڑھنا نہ سکھلایا گیا۔ سترھویں سال میں قدم رکھتے ہی رنجیت سنگھ نے

اپنے باپ کی طرح دیوان کو علیحدہ کر کے انتظام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ۹۶ - ۱۷۹۵ء کے دوران میں شاہ زمان جو اُنہیں ایام میں تختِ کابل پر حکمراں تھا۔ پنجاب پہ دو دفعہ حملہ آور ہوا۔ ۱۷۹۸ء میں بادشاہ پھر آگے بڑھا مگر یہ دیکھ کر کہ اس ملک کو قبضہ میں رکھنے کے واسطے ایک مستقل انتظام کرنا ناممکن ہے۔ وہ اپنے جدّی ملک کی طرف واپس چلا گیا۔ اور جملہ سکھ سردار جو بادشاہ کی آمد کے وقت ملک کو خالی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اب پھر آ گئے۔ بادشاہ کی مراجعت کے بعد رنجیت سنگھ کے دل میں لاہور پر قبضہ کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور بادشاہ کی ایک بر وقت خدمت کرنے کے سبب سے اس نے انعام میں یہ جگہ لے لی۔ اور ایک نمایاں خدمت کے صلہ میں بادشاہ سے لاہور پر قبضہ کرنے کا حکم حاصل کر لیا۔ رنجیت سنگھ جبر و تشدد کی بجائے نرمی اور حکمت عملی کو کام میں لایا اس لئے اسے نہایت کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے بعد ہمیشہ یہ شہر اُس کے تصرف میں رہا۔ تین چار سال گزرنے کے بعد اُس کی متواتر دست اندازیوں نے سرداروں کے حسد و خوف کو جو کہ اب تک خود مختار تھے بھڑکا دیا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ رنجیت سنگھ کا صاف ارادہ ہے کہ اُن سے اپنی تابعداری اور اطاعت کرائے مگر ان کے آپس کے حسد اور فساد ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کی زبردستیوں سے اور وفات کے بعد جاگیرات کو ضبطی سے بچانے کی کوئی چارہ و تدبیر نہ کر سکے۔ اُنہیں ایام میں معزولی پسران تیمور کے سبب افغانوں کی سلطنت میں ایسی ابتری شروع ہوئی کہ شاہی حکومت لوگوں کی نظروں سے بالکل گر گئی۔ یہ حالت دیکھ کر رنجیت سنگھ کو دلیری پیدا ہو گئی۔ اور اس نے ۱۸۰۴ء میں ارادہ مصمم کر لیا کہ سلطنت کے اُن صوبہ جات کو جو دریائے انڈس کے مشرق کی طرف واقع تھے اپنے قبضہ میں لے آئے۔ اس لئے اس نے دریائے راوی سے عبور کیا لیکن اُس کی آمد پہ بہت سے سرداروں نے اطاعت قبول کر کے اور تحائف دے کر اُس کی لوٹ مار اور زبردستیوں سے رہائی حاصل کی۔ اس کے بعد بہت سے مسلمان خاندانوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو گئے۔ اور دریائے انڈس تک کے تمام سرداران نے اس بات کو دیکھ کر کہ آئندہ کے واسطے ان کو صرف ایسی طرف سے امید و خوف کی تصویر نظر آتی ہے فوراً حاکم لاہور کی اطاعت قبول کر لی اور دربار کابل سے آئندہ کے لئے اپنے تمام تعلقات قطع کر لئے۔

رنجیت سنگھ نے دریائے ستلج کے مشرق اور جنوبی کناروں کی طرف بھی ایسا ہی غاصبانہ تسلط کا برتاؤ جاری رکھا اور اُس کی حکومت پنجاب میں ایسے کامل طور پر قائم ہو گئی کہ ہندوستان کی گورنمنٹ برطانیہ کی پالیسی کے واسطے یہ ضروری ہو گیا کہ اُس کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم کرے۔ چنانچہ اس ارادہ کی تکمیل میں ۱۸۰۸ء میں مسٹر مٹکاف لاہور بھیجے گئے۔ اُن کو وہاں معمولی مدارات کے ساتھ عزت سے

رکھا گیا۔ مگر رنجیت سنگھ کا عملدرآمد ایسا ناقابلِ اطمینان تھا اور اس نے ایسا قوی ارادہ اپنی زیادتیوں کے جاری رکھنے کا ظاہر کیا۔ کہ یہ ہی مناسب سمجھا گیا کہ کرنیل اختر لونی ایک دستہ فوج کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنے ایجنٹ کے عہد و پیمان کے انجام دینے میں مدد دیں۔

رنجیت سنگھ کو بہت جلد یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو گئی کہ بجائے اس کے کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ دشمنی کو بھڑکائے۔ اتحاد و آشتی کر لینا بہتر پالیسی ہو گی۔ اس لئے ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو بمقام امرتسر ایک عہدنامہ باہمی صلح اور اتحاد کا مکمل ہوا۔ اور رنجیت سنگھ کو جب اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ جو دغدغہ گورنمنٹ کلکتہ کی نسبت خیال میں آیا تھا اور جو فاسد ارادے اُس کی طرف منسوب کئے جاتے تھے قطعی بے وجود ہیں تو اس نے ایسی سچی گرم جوشی کے ساتھ تعلقِ دوستانہ پیدا کرنا قبول کیا کہ باقی ماندہ زندگی تک اُس میں کبھی کوئی خلل نہ آیا۔ انہیں ایّام میں اس نے اپنی فوج کو انگریزی نمونہ پر آراستہ کرنا شروع کیا اور یہ بات غالباً اُس کے دل میں مسٹر مٹکاف کے ہمراہی سپاہیوں کی قابلیت اور قواعد دانی دیکھ کر پیدا ہوئی اور اب اس کو بچشمِ خود اس کی علانیہ نظیر کے دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔

فروری ۱۸۱۰ء میں جبکہ رنجیت سنگھ اس بات کے درپے تھا کہ متوفی جودھ سنگھ والئ وزیرآباد کے ملکی مقبوضات کو اپنے تصرف میں لائے۔ یہ خبر پہنچی کہ شاہ شجاع اُن کے ملک میں پناہ گزین ہونے کے واسطے آ رہا ہے۔ اور اگرچہ وہ بہت مُدارات اور عزت کے ساتھ رکھا گیا۔ مگر اُس نے اُس وقت بہت کم قیام کیا۔ اُس کی مراجعت نے مہاراج کو اس بات کی آزادی دے دی کہ وہ فتح ملتان کے لئے فوج کشی کرے۔ لیکن وہاں سے اُس کو مجبوراً پس پا ہونا پڑا اور اپنی ناکامی پر غصہ آمیز خجالت اُٹھانی پڑی۔ بارہ مسلوں میں سے ایک تو رنجیت سنگھ کی اور تین اور اس وقت موجود تھیں۔ مگر یہ تین باقیماندہ بھی مہاراجہ کی مسل میں شامل ہو گئی تھیں۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی نیت میں یہ ارادہ مستحکم ہو چکا تھا کہ باقاعدہ طور پر ان لوگوں کو جو ہمسری کا خیال رکھتے تھے یا اپنے بزرگوں کی دلاوری کے سبب سے اپنی وراثت پر قابض تھے۔ اپنا مطیع بنا کر ملک کو اپنے قبضہ میں لے آئے۔

شروع سال ۱۸۱۲ء میں کھڑک سنگھ ولیعہد کی شادی تزک و احتشام سے لاہور میں ہوئی اور اس موقعہ پر کرنیل اختر لونی بھی شامل ہونے کے لئے مدعو کیا گیا۔ اُس امتیاز اور اعتماد سے جو اُس افسر کو اس موقعہ پر دکھلایا گیا۔ اس بات کا قابل اطمینان ثبوت مل گیا کہ مسٹر مٹکاف کی موجودگی میں مہاراج کو برٹش گورنمنٹ کی نسبت جو خدشات تھے اب اُن میں کس قدر تغیر پیدا ہو گیا۔

مارچ ۱۸۱۳ء میں شاہ شجاع پھر لاہور آیا۔ اس کی بیوی نے جو پہلے سے وہاں تھی اپنے خاوند کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ فرماں روائے پنجاب اُس کا دوست ہے۔ لیکن لاہور پہنچتے ہی اُس پر مہاراج کی طرف سے یہ تقاضا شروع ہوا کہ کوہ نور ہیرا دے دیں اور اُس کے عوض میں جاگیر لے لیں۔ چونکہ یہ الماس[1] بہت مشہور اور نایاب تھا اس لئے مہاراج کو یہ اشتیاق کہ جس طرح بن پڑے یہ ہیرا ہمارے پاس آجائے اور اُدھر شاہ کو اس کے نہ دینے پر اصرار کہ یہ نادر چیز ہاتھ سے نہ جائے۔ مگر دونوں فریق کی موجودہ حالت یکساں وہمسری کی نہ تھی۔ اور رنجیت سنگھ کی خصلت جس میں بددیانتی کی آمیزش بہ نسبت بے رحمی کے زیادہ تھی اُن تدابیر کے اختیار کرنے میں جن کے ذریعہ سے اُس نے اس نہایت ہی پسندیدہ تحفہ کو حاصل کیا عجیب طور سے ظاہر ہوئی۔

بادشاہ کی ضد پر غالب آنے کے لئے جس قدر سختی مناسب حال تھی استعمال میں لائی گئی۔ اور ہیرے کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ اٹھا رکھا۔ یہاں تک کہ اُس بے وطن خاندان کو دو دن تک کوئی چیز کھانے کو نہ دی گئی۔ لیکن جب دیکھا کہ انہوں نے فاقہ کی مصیبت بھی جھیل لی تو بیچاروں کو کھانا دیا گیا۔

بادشاہ نے پہلے تو بہت انکار کیا کہ الماس اُس کے پاس نہیں ہے مگر جب دیکھا کہ حجّت سے کام نہیں چلتا تو حیلہ و فریب اختیار کرنے کی نوبت آئی۔ مگر رنجیت سنگھ نہ تو فریب میں ہی آیا اور نہ ہی اپنے ارادے سے پلٹا۔ اور آخر کار جب شاہ شجاع اس سختی و تقاضا سے لاچار ہو گیا اور اُس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ رنجیت کو کسی چیز سے اطمینان نہ ہو گا۔ تو جواہر کے دینے پر رضامند ہونا پڑا۔ اس لئے یکم جون ۱۸۱۳ء کو مہاراج شاہ شجاع کی خدمت میں اُس کے لینے کی غرض سے آیا۔ بادشاہ نے اُس کو بڑی عزت سے بٹھلایا اور ایک گھنٹہ تک بڑی متانت کے ساتھ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد رنجیت بیتاب ہو گیا۔ اور ایک مصاحب کو اشارہ کیا کہ بادشاہ کو ملاقات کا مقصد یاد دلائے اس کا جواب تو کچھ نہ ملا مگر بادشاہ نے اپنی آنکھ سے ایک خواجہ سرا کو کچھ اشارہ کیا۔ جو اُسی وقت جا کر ایک چھوٹا ڈبّا لے آیا جس کو اُس نے قالین پر دونوں سرداروں کے سامنے مساوی فاصلہ پر رکھ دیا۔ رنجیت سنگھ نے اس ڈبے کو کھولنے کا حکم دیا۔ اور جونہی الماس اُس کی نظر پڑا تو اُس نے

---

[1] یہ الماس جو ڈیڑھ انچہ لمبائی میں اور ایک انچہ عرض میں بتلایا جاتا ہے۔ دہلی میں زینت دہ تختِ طاؤس تھا اس کے بعد وہ نادر شاہ کے ہاتھ آیا۔ جس کے انتقال کے بعد احمد شاہ نے نادر کے خیمہ کی لوٹ کے وقت اُس پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر شاہ شجاع نے اپنے باپ کے ورثہ میں اس کو پایا۔

فوراً اُس کو شناخت کر کے اٹھالیا اور اُسی وقت وہاں سے چلا آیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے بیس ہزار روپیہ اور دیکر رہائی حاصل کی۔ مگر پھر بھی وہ اپنے اس ظالم کے پنجہ سے نہ چھوٹ سکا۔ کیونکہ رنجیت سنگھ نے تھوڑی دیر بعد یہ خبر پاکر کہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے بیش بہا جواہرات بادشاہ کے پاس موجود ہیں۔ اس پر پھر اسی طرح قابو کر لیا۔ اور جب تک ان جواہرات پر قبضہ نہ کر لیا اس کو نہ چھوڑا۔ اس قدر مصیبتوں اور ذلتوں کے بعد شاہ شجاع[1] آخر کار بچ کر نکل گیا۔ اور اس کے بعد اور کئی ایک بدقسمتیوں میں مبتلا رہ کر برٹش گورنمنٹ کی پناہ میں آگیا۔ یہاں اُس کا معمولی وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اور وہ اس پناہ میں اُس وقت تک رہا جبکہ موجودہ واقعات میں انقلاب پیدا کر کے اس کو پھر تختِ کابل پر نہ بٹھادیا۔ اگر مہاراج کے مختلف جنگی مہمات اور ملکی فتوحات جو ان سے پیدا ہوئیں مفصل طور پر بیان کی جائیں تو جس غرض سے اس کتاب کے لکھے جانے کا ارادہ کیا گیا ہے اس کو طول ہو جائے گا۔

کشمیر کے برخلاف پہلی مہم میں مہاراج کو کچھ نقصان کے بعد شکست ہوئی اور اُس کو مجبوراً واپس پا ہونا پڑا۔ اس ناکامی کی تلافی بہت جلد ہوگئی کیونکہ دوسرے سال سکھوں کی فوج نے میدانِ جنگ میں آکر اپنے ہمسایوں کے ملک میں لوٹ مار اور علاقہ جات کی ضبطی شروع کر دی۔ ۱۸۱۸ء کے آغاز میں یہ کارِ نمایاں ہوا کہ صوبہ ملتان اور اُس کے اختتام میں پشاور کی فتح حاصل ہوئی۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراج نے کشمیر کے برخلاف فوج کشی کرنے کی تیاری کی۔ اپریل میں سکھوں کی فوج سرحد پہ بڑھ کر حملہ آور ہوئی۔ اور ۵ جولائی کو افواجِ کشمیر پہ فتح پائی۔ اس کے بعد بغیر کسی اور مقابلہ کے اس صوبہ کی فتح کامل طور پہ نصیب ہوئی۔

دس بارہ سال تک اکثر جگہ اسی طرح کی خفیف لڑائیاں اور روزانہ حملے ہوتے رہے۔ اور ان

---

[1] محقق شائقین کے واسطے یہ بات قابل اطمینان ہے کہ شاہ شجاع کابل کا مستحق بادشاہ تھا اور اُس کا مغرور حریف دوست محمد خاں علاوہ غاصب ہونے کے شاہی خاندان سے اُس کو کچھ تعلق نہ تھا وہ اُن بے شمار طاقتور بارک زئی افغانوں میں سے تھا جنہوں نے تیمور کی اولاد کو محروم الارث کر دیا تھا اور انہیں میں سلطنت افغانیہ منقسم ہوگئی تھی۔ آپس میں بہت سی مخالفت اور فساد کے بعد دوست محمد خاں اپنے خاندان اور افغانوں کے جتھہ کا سردار بن گیا۔ اور ۱۸۲۳ء سے وہ کابل کی بادشاہت پر حکمراں ہوگیا۔ لیکن اصلی حقدار بادشاہت کے بارک زئی نہیں تھے۔ بلکہ سدوزئی خاندان تھا۔ جس کا سردار شاہ شجاع موجودہ بادشاہ ہے۔

میں مہاراج کو تقریباً ہر دفعہ کامیابی اور فتح حاصل ہوتی رہی۔ اور ان کی اس خواہش سے کہ گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ رابطہ و اتحاد کو قائم رکھ کر اُس کو ترقی دی یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ جب کبھی موقعہ ہوتا تھا۔ تو انگریز گورنران اور افسرانِ کے ساتھ داد و ستند تحائف کی رہتی تھی اور ۲۰ر اکتوبر ۱۸۳۱ء کو لارڈ ولیم بنٹنگ سے جو اُس وقت گورنر جنرل ہندوستان کا تھا مہاراج کی ملاقات تجویز پائی۔ اگرچہ ابتدا میں بعض مشکلات راہ رسم کی بابت پیش آئیں مگر رنجیت نے اپنی کشادہ دلی سے جس سے اُس کا عملاً نیک فہم ہونا ثابت ہوتا تھا ان کو نظر انداز کر دیا۔ یہ ملاقات بڑی شان و شوکت سے انجام پائی جس کی زینت برٹش انڈیا کے حکمراں کے رُتبہ کے شایاں اور مہاراجہ لاہور کی عظمت و بزرگی کے مناسب تھی۔ اس موقعہ پر بھی ملاقات کے مراسم ویسی ہی صورت سے ادا ہوئے جیسا کہ پہلے اس سے لارڈ آکلنڈ اور مہاراجہ کی ملاقات کے وقت عمل میں آئے تھے۔

رنجیت سنگھ کی طبیعت کا ایک مناسب اندازہ اس بیان اور اس سے بھی زیادہ اُن واقعات سے ہوگا جو آگے بیان کئے جائیں گے۔ اُن کی تربیت تعلیم کے طریقہ پر نہیں ہوئی تھی بلکہ زنان خانہ کی سستی اور لہو و لعب میں جس کے اثر سے ضرور ہے کہ ایک نہایت ہی مضبوط طبیعت بہت جلد متاثر ہو کر مرجھا جائے۔ اور نہایت ہی تیز پسندیدہ قابلیتیں ایسی کند ہو جائیں کہ وہ کبھی اصلاح پر نہ آسکیں۔ یہ ثابت ہے کہ رنجیت سنگھ نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی نہایت فرزانگی اور فراست سے کام لیا۔ اگرچہ اُن کی روزانہ بے اعتدالیاں اُن کی جسمانی طاقت کے واسطے پیش از وقت مہلک ثابت ہوئیں مگر انہوں نے سر دست کچھ نمایاں اثر ظاہر نہ کیا۔ اُس کی طبیعت کچھ اس قسم کی تھی جس کی قسمت میں ناموری اور بزرگی کا حاصل کرنا لکھا ہوا تھا۔ اُس کی دلاوری کچھ ایسی بے جوش اور موزوں واقعہ ہوئی تھی نہ تو وہ اپنے آپ کو کسی بے سود خطرہ میں ڈالنے کی تحریک کرتی تھی اور نہ ہی اُس کو اس امر سے مانع آتی تھی کہ جس خواہش کے پورا کرنے کا مستقل ارادہ کر لیا ہو اُس سے ہٹ جائے۔ فطرتی طور پر قیافہ کا مادہ اور انسانی طبائع شناسی کا علم اسے ایسا عطا ہوا تھا کہ صرف اُس کے اعلیٰ فہم کے غالب اثر نے رفتہ رفتہ بلکہ بے معلوم طریقہ پر بلا مزاحمت اپنی قوم کے مغرور اور پُر حوصلہ سرداروں کو نہ صرف رعایا ہونے کی حالت کو پہنچا دیا۔ بلکہ اُن کو اپنا نہایت ہی جاں نثار اور اپنے تخت کے مضبوط حمایتی بنا لیا۔

مہاراج کو اگرچہ لکھنے پڑھنے کی لیاقت حاصل نہ تھی مگر چونکہ اُن کا حافظہ قوی اور طبیعت میں تیز فہمی اور ایجاد کا مادہ موجود تھا اس لئے معاملہ دانی میں بہت چُست اور با تدبیر تھے۔ رحم اور

ندامت سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ مگر ساتھ ہی خونریزی کی عادت بھی اُن کے مزاج میں نہ تھی۔ اپنے منصوبوں کے انجام دینے میں وہ نہایت مستقل تھے۔ اور اگر ان کے عمل میں کوئی حارج ہوتا تھا تو پھر اُس کی جان کی خیر نہ تھی۔ کیونکہ پھر وہ نہ تو کسی کی تکلیف اور نہ جان کی پروا کرتے تھے۔ اُن کی فتحمندی اور نیز سلطنت کی مضبوطی صرف اسی سبب سے تھی کہ اُن کے تمام ارادوں میں عملی سرگرمی اور اُن کے خیالات میں جولانی کا اظہار ہمیشہ ہوتا تھا۔

وہ خطرناک اور بے سود مہمات میں کبھی اپنی طاقت کو صرف نہ کرتا تھا۔ لیکن اپنی اولوالعزمی کو امکان کی حدود میں رکھ کر اُن کو ایسے موقعہ پہ خوش اسلوبی سے انتظام کر کے شروع کرتا تھا کہ عموماً کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ اور ناکامی (بہت ہی نادر حالتوں میں جب وہ خطا جاتی تھی)۔ نے کبھی نہ تو اُس کی طاقت کو متزلزل کیا اور نہ اُس کی ثروت کو گھٹایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی طبیعت میں خوش دلی اور تیز طبعی کی اُمنگ تھی۔ مگر ہندوستانی آداب مجلس کے پُر تکلف طریقے اور مشرقی راہ و رسم کے رنگین اور پُر مبالغہ طرز معاشرت دوستانہ رابطہ کو ترقی دینے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ رنجیت سنگھ میں قدرتی فراست اور زندہ دلی اور بشاشت ایسی تھی جو کسی فہمیدہ سوسائٹی اور مہذب زمانہ کے لئے مناسب خیال کی جاسکتی ہے اور وہ مذہبی عقائد کا پورا معتقد اور اُن کے فرائض کے انجام دینے لگا تھا۔ اور گرنتھ صاحب جو سکھوں کی مقدس کتاب ہے ہمیشہ اس کو پڑھ کر سُنائی جاتی تھی۔ اور یہ کچھ شک نہیں کہ وہ اُن اخلاقی نصیحتوں سے جو اس کتاب میں موجود ہیں بخوبی واقف ہوں گے۔ اگر نوع انسانی کو بنظر مشاہدہ بیرو سے چلن تک دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ اُن کا عملی برتاؤ یقیناً اُن کی مذہبی کتاب کے برعکس اور خلاف ہوگا۔ کسی چیز میں بھی اتنا اختلاف نہ ہوگا جتنا کہ گرونانک صاحب کے پند و نصائح اور رنجیت کے عمل میں تھا۔ کیونکہ گرو صاحب تو خدا پرستی اور عام مصالحت کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر رنجیت سنگھ کی زندگی مسلسل لڑائی جھگڑوں کے اور نہایت ہی مکروہ شہوت پرستیوں میں گذری اور صرف ہوئی۔ جس پر اسے کبھی ندامت و انفعال بھی نہیں ہوتا تھا۔ ان زیادتیوں کے سبب سے جن پر اُس نے بلا تکلف نیک چلنی کا پردہ ڈال رکھا تھا نہ تو اس کی کسر شان ہوئی اور نہ رعایا کی نظروں میں اُس کی وقعت کم ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پنجاب میں لوگوں کا مذاق کس قدر ذلیل اور اخلاقی حالت کیسی تباہ ہوگئی تھی۔ اگر رنجیت سنگھ تعویذ گنڈہ اور شگون و تفاول اور سحر وغیرہ کا معتقد تھا تو اُس کی عقلمندی پر الزام نہیں آتا۔ اس قسم کا وہم یہ ثابت کرتا ہے کہ بچپن کے خیالات جو

نقش بر دل ہو چکے تھے طبیعت سے نہیں نکلے تھے۔ اور نیز یہ کہ جو کچھ کیفیت اُس وقت ملک و زمانہ کی تھی اُس کی طبیعت نے اُس سے بڑھ کر کوئی حیرت انگیز ترقی نہ دکھلائی اُس کی تیز فہمی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا کہ اُس نے برٹش گورنمنٹ کے برتاؤ اور پالیسی کی کیسی اچھی قدر کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سے اُس نے ہم سے اتحاد قائم کیا اس وقت سے اس نے جملہ شکوک و حسد اور خوف کو بالائے طاق رکھ کر پورے اعتماد سے ہماری دوستی اور امداد پر بھروسہ کر لیا تھا۔ اور یہ اس اتحاد کا سبب ہے کہ ہم اس وقت بذریعہ اپنی حکومت و رعب کے اُس کے اصلی بیٹے اور نامزد ولیعہد[1] کو اُس سلطنت کی وراثت پر قائم کرتے ہیں جس کو اُس کے باپ کی دلاوری اور عقلمندی نے پیدا کیا تھا۔

○

---

[1] کھڑک سنگھ اپنے والد رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ مگر اس کا عہدِ حکومت بہت تھوڑی دیر رہا۔ ابھی جبکہ یہ حصہ کتاب کا چھپ ہی رہا ہے خبر پہنچی ہے کہ دربار لاہور میں پھر انقلاب پیدا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑک سنگھ کو معزول کر کے اُس کی جگہ اُس کے لڑکے کو مسند پر بٹھا دیا۔

(ولیم آسبرن کی انگریزی کتاب "دی کورٹ اینڈ کیمپ آف رنجیت سنگھ" پر سن اشاعت ۱۸۴۰ء لندن درج ہے۔ جبکہ یہ اردو ترجمہ ۱۹۰۵ء کا ہے۔ اس لئے کھڑک سنگھ کے حوالے سے مذکورہ بالا فٹ نوٹ سال ۱۸۴۰ء کی مناسبت سے پڑھا جائے۔ پبلشرز)

مہاراجہ رنجیت سنگھ

مہاراجہ رنجیت سنگھ دربار میں۔ ان کے سامنے ان کے جرنیل کھڑے ہیں۔ جرنیل کورٹ (فرانسیسی)۔ جرنیل الاڈ (فرانسیسی)۔ جرنیل ونتورا (اٹالین)۔ جرنیل اوی تابیل (اٹالین)۔ جرنیل فوکس (انگریز) اور جرنیل آرگونڈ۔
ہیرا سنگھ مہاراجہ کے بالکل سامنے۔ مہاراجہ کے دائیں طرف ڈوگرا برادران، شام سنگھ اور شیخ فقیر الدین ہیں۔

دربار و فرودگاہ رنجیت سنگھ

رنجیت سنگھ نے گورنر جنرل کی خدمت میں شملہ پر مئی ۱۸۳۸ء میں چند نہایت مشہور سکھ سرداروں کی سفارت بھیجی جن کی مُدارات مشرقی آداب کے بموجب نہایت عزّت سے کی گئی۔ ملاقات کے دن دربار کے کمرہ میں سُرخ رنگ کا فرش کیا گیا اور لارڈ آکلنڈ وسط میں زینت دہ کرسئ زرّیں ہوئے۔ چھ سکھ سرداروں کی نشست جنہوں نے نہایت پُر تکلف لباس پہنا ہوا تھا۔ بجانب دست راست ہوئی۔ اور باقیماندہ بارہ سردار جو کم درجہ کے تھے کچھ فاصلہ پر فرش پر بیٹھے۔ اور گورنر جنرل کی پشت کی طرف اُن کے متعدد مصاحب اور افسر مختلف وردیاں پہنے کھڑے تھے۔ اور اس پُر شکوہ جلسہ میں ایک عالم سکوت طاری تھا۔ آخر کار بذریعہ ترجمان کے گفتگو شروع ہوئی۔ آدھ گھنٹہ تو صرف اس بات میں صرف ہوا کہ گورنر جنرل کو مہاراج کی صحت کا اطمینان بخش مژدہ سنایا گیا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ جب سے دونوں سلطنتوں کا اس طرح سے رابطہ پیدا ہوا ہے۔ تب سے گلشن اتحاد میں گلہائے گوناگون شگفتہ و شاداب ہیں اور عندلیب موانست چمنستانِ محبت میں پہلے سے بھی زیادہ ترانہ سنجی کر رہا ہے۔

بہت سے رسمی تکلفات اور تحائف کے تبادلہ کے بعد سکھوں کی سفارت رخصت ہوئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد لارڈ آکلنڈ نے دربار لاہور کو سفارت بھیجنے کا ارادہ کیا اور مہاراجہ کی اخلاقی مہربانیوں کے عوض میں صرف اس کے بھیجنے کا قصد نہیں تھا بلکہ خیال یہ تھا کہ اُن ضروری امور کو جو دنیا کے اس حصہ میں موجودہ پولٹیکل معاملات کے ساتھ پیچیدہ ہو رہے تھے انجام دیا جائے۔ حال میں جو کوششیں ایرانیوں نے ہرات پر کیں۔ اور دوست محمد خاں کی مذبذب حالت اور روسیوں کے بدخیالات اور ارادوں نے جو شکوک پیدا کئے تھے انہوں نے اس بات کو نہایت ہی ضروری کر دیا کہ رنجیت سنگھ کے ساتھ اتحاد کو مضبوط کیا جائے۔ اور اُس کو مستحکم طور پر آمادہ کر کے اپنے ساتھ عام آسودگی اور امن کو قائم کرنے اور بیرونی حملہ کو روکنے اور تجارت کے مفاد اور شائستگی برکتوں کو ترقی دینے

کے واسطے شریک کیا جائے۔ اس لئے ڈبلیو ایچ میگناٹن صاحب سفارت پر مقرر ہوئے۔ اُن کے ہمراہی ڈاکٹر ڈرمنڈ اور کپتان میگریگر اور آنریبل ڈبلیو آسبرن صاحب گورنر جنرل صاحب کے ملٹری سیکرٹری بھی تھے جو کہ اس روزنامچہ کے مصنف ہیں۔ جو انہوں نے رُوپڑ پہنچنے پر فوراً لکھنا شروع کر دیا۔

○

سکھ سردار

روزنامچہ

۱۹ر مئی ۱۸۳۸ء کو ہم کپتان بیڈ اور میگریگر کے ہمراہ روپڑ پہنچے۔ اور اپنے خیمہ جات دریائے ستلج کے کنارے پر لگے دیکھے۔ مسٹر میگناٹن اور ڈاکٹر ڈرمنڈ بھی شام کے وقت آکر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔

۲۰ر مئی

آج ستلج کو عبور کر کے دوسرے کنارہ پر جس جگہ ہمارا پیش خیمہ نصب تھا پہنچ گئے۔ اس جگہ سرداران اجیت سنگھ اور کرم سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں خیموں میں لے گئے اور اگلے دن کے کوچ کے واسطے ضروری انتظام کر کے ہم کو بطور ضیافت بارہ سو روپیہ مہاراج کے قلمرو میں داخل ہونے پر پیش کر کے رخصت ہوئے۔

۲۱ر مئی

آج ادینا نگر کی طرف جہاں رنجیت سنگھ دربار کرتا ہے کوچ کرنا شروع کیا۔ ہمارے ساتھ دو کمپنی بیسویں رجمنٹ کی اور دو گھوڑے کی توپیں تھیں اور ایک دستہ ہنورا کے رسالہ کا بطور اردلی کے تھا۔

۲۲ر مئی سے ۲۵ر مئی تک ان تاریخوں میں چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کیں اور کوئی امر دلچسپ قابلِ تحریر پیدا نہیں ہوا۔ ستلج اور ادینا نگر کے درمیان جو حصہ ملک ہے وہ ہموار اور صاف ہے۔ جس میں کسی کسی جگہ درختوں کے جھنڈ ہیں اور چند ایک کچے دیہات متفرق طور پہ واقع ہیں۔ ہر ایک گاؤں چاہے دیکھنے اور وسعت میں کیسا ہی بدحیثیت کیوں نہ ہو مگر اس کے وسط میں ایک مدّور کچا قلعہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اس میں بندوقوں کے واسطے سوراخ رکھے جاتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف برائے نام ایک خندق ہوتی ہے مگر اُس پر توپیں نہیں ہوتیں۔

چند سالوں سے جب سے رنجیت سنگھ کی طاقت کا دبدبہ اور رُعب قائم ہوا ہے تو کوئی خطرناک موقعہ پیش نہیں آیا۔ مگر اس سے پہلے ان چھوٹے چھوٹے قلعہ جات پر سکھ سرداروں کی لڑائی جھگڑے رہتے تھے۔ اور لوٹ مار ہوا کرتی تھی۔

تھوڑا سا رقبہ جو زیر کاشت ہے اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت طاقتور اور

زرخیز ہے ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حکمراں گورنمنٹ زیادہ منصف اور حق شناس ہو تو پنجاب تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ دولتمند صوبہ ہو سکتا ہے ۔ اس خوبصورت ملک کی آئندہ حالت پر جب غور کیا جاتا ہے تو تاسف ہوتا ہے ۔ رنجیت سنگھ کے انتقال پر جو بموجب طبعی قاعدہ کے چند سال میں ہی واقع ہونا چاہیئے ۔ اُس کا تخت دو مضبوط حریف دعوے داروں میں باعث فساد ہو جائے گا ۔ شیر سنگھ کنیزک زادہ ایک آزمودہ کار دلاور آدمی ہے ۔ اس کے مددگاروں میں رنجیت سنگھ کا موجودہ بارعب متمول اور فہمیدہ وزیر دھیان سنگھ اور کھڑک سنگھ جو حقدار بیٹا ولیعہد ہے وہ ذاتی عقلمندی اور دلاوری سے بالکل معرّا ہے ۔ مگر جملہ سکھ سرداران جو رنجیت سنگھ کے انعامات کے سبب شکر گزار ہیں اور نیز اُن کے وزیر سے بھی حسد رکھتے ہیں اُس کے حامی و مددگار ہیں ۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ تمام ملک ستلج اور انڈس کے مابین ایک سخت اور خونریز جنگ و جدل کا رن پڑے گا ۔ جس کا خاتمہ ایک تیسری اور زیادہ تر مضبوط طاقت کی مداخلت سے ہو گا جس کے قبضہ میں ایک جرّی فوج اور پورا اقتدار ہونا چاہیئے تا کہ مخالف کے دل میں اُس کے مقابلہ کی ہمت باقی نہ رہے ۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ فوج برطانیہ ہو گی اور وہ طاقت انگریزی گورنمنٹ ہو گی ۔ رنجیت سنگھ کے ایام زندگی میں پنجاب پر حملہ اور اُس کی فتح کے واسطے کوئی حیلہ نہیں ہے کیونکہ اُس کے خیالات چاہے ہماری نسبت کچھ ہی ہوں مگر اُس نے ظاہری صورت اتحاد کی قائم رکھی ہوئی ہے ۔ لیکن اُس کی موت کے بعد اس حالت میں تغیر پیدا ہو جائے گا ۔ اور پھر محافظت کی غرض سے یہ ضروری ہو گا کہ پنجاب کی حکومت یا تو ہمارے قبضہ میں ہو یا اُس کے حکمراں سے ہمارا اتحاد ہو ۔ ایک ایسے ملک سے جو باہمی خانہ جنگیوں اور دو دعویداروں کے سبب سے تہ و بالا ہو دوستی کی اُمید رکھنی محض حماقت ہے جبکہ اُس کے باشندے انگریزوں سے مخالفت اور نفرت کرنے میں ہم خیال اور متفق الراء ہوں ۔ اس لئے بہ نظر موجودہ پالیسی اور ملک کی آئندہ بہتری کے خیال سے ہمارے لئے صرف یہ ہی ایک تدبیر ہے کہ ایک کثیر فوج کے ساتھ پنجاب پر فوراً قبضہ کر لیا جائے ۔ اور ہماری شمال مغربی سرحد دریائے انڈس پر قائم کی جائے ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب پہلے ہی سے بہت سے اُونٹ نگل لئے ہیں تو ایسے مچھر کو نگلنے میں کیا تکلیف ہو گی ۔ اور ملک کی ظاہری صورت پر اندازہ کر کے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان چھوٹے چھوٹے ٹھنگوں کو کھا کر زیادہ پرورش پائیں گے بہ نسبت اُن بڑے بڑے چارپایوں کے جو اُس نے ان چند سالوں کے اندر ہضم کر لئے ہیں ۔ ہر حالت میں اُس کا حلق روز افزوں خراج کی چرب غذا سے مرغن

رہے گا۔ اور ایک ایسے ملک میں جس میں فی زمانہ موجودہ حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ایک نرم اور انصاف پسند گورنمنٹ کے تصرف کی وجہ سے خراج میں بلاشبہ ترقی ہوگی۔

نوٹ :۔ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد کھڑک سنگھ کو برٹش گورنمنٹ نے فوراً تسلیم کرلیا۔ اور وہ اپنے باپ کی جگہ پر مسلط ہوگیا۔ مگر اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس کی تخت نشینی پر جو امن قائم رہا تو وہ ایک تو انگریزی حکومت کے رُعب کا سبب تھا۔ دوسرے یہ کہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد بوجہ پیش آنے والے چند واقعات کے انگریزی فوج دریائے ستلج کے شمال کی طرف موجود تھی۔

۲۶ رمئی

ادینانگر دو منزل کے فاصلے پر ہے یہاں پرتاب سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ یہ لڑکا جس کی عمر سات سال کی ہے شیر سنگھ کا بیٹا اور مہاراج کا پوتا ہے۔ اس کو اس کے باپ نے اس واسطے بھیجا ہے کہ وہ باپ کے علاقہ کی سرحد تک ساتھ رہے۔ یہ پہلی مثال ہمیں پیش آئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ اپنے سرداروں کے ساتھ اہلِ یورپ کا میل جول ہونا حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مہاراج کو چاہیئے تھا کہ بجائے اس لڑکے کے حسبِ قاعدہ اور دستور شیر سنگھ کو ہماری ملاقات کے لئے بھیجتے۔ اور وہ عذر جو اس ظاہر بے قاعدگی پر کیا گیا وہ خصوصاً دربار لاہور سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ شہزادہ شیر سنگھ ایک دن پہلے مہاراج کی مجلس میں کثرتِ مے خوری کی وجہ سے علیل ہوگیا۔ اس سبب سے سفر کرنے سے معذور تھا۔ پرتاب سنگھ پُر تکلف لباس پہنے ہوئے تھا۔ زیبائشی ڈھال و تلوار اور بندوق سے جو اس کے قد کے مطابق تھی آراستہ تھا اس کے علاوہ اس کا تمام جسم جواہرات بیش بہا سے مزیّن تھا اور اس کی اردلی میں ایک چھوٹا سا دستہ سکھ رسالہ کا اور چند توپیں تھیں۔ آج تک میں نے جس قدر لڑکے دیکھے ہیں اُن میں سے یہ نہایت ہی ہوشیار اور سمجھ دار ہے۔ یہ نہایت خوش شکل ہے اور اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوشنما ہیں۔ اُس کی عادات و وضع کمال درجہ کی دل فریب و مہذب اور امیرانہ ہیں۔ اور وہ اُس شرمیلی عادت سے جو اس عمر کے یورپین لڑکوں میں عموماً پائی جاتی ہے قطعی مبرا ہے۔

اثنائے گفتگو میں مَیں نے اس سے دریافت کیا کہ آیا اس کی بندوق اصلی ہے اور کیا اُس سے کبھی نشانہ بھی لگایا ہے۔ یہ بات سنتے ہی وہ نہایت برانگیختہ ہوکر اپنی کرسی سے کُود پڑا اور جلدی سے اپنی بندوق کو بھر کر بولا کہ فرمائیے اب کس کو ماروں۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت تو کمپ

میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی کہ جس پر بغیر خطرہ کے نشانہ لگایا جائے۔ مگر یہ بتلایئے کہ ایک سو گز کے فاصلہ پر وہ کسی آدمی کو مار سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں اس نے بغیر کسی تامل کے سکھ سرداران اور سپاہیان کو جو خیمہ کے متصل تھے اشارہ کر کے جواب دیا کہ یہ تو سب آپ کے دوست ہیں مگر گورنمنٹ انگریزی کا کوئی بھی دشمن مجھے دکھلا دیجئے پھر آپ فوراً دیکھیں گے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔

سُنا جاتا ہے کہ اس لڑکے کا والد اس کا بہت ہی مشتاق ہے۔ اور سال گزشتہ میں جب مہاراجہ نے شیر سنگھ کو سر ہنری فین کی ہمراہی میں سرحد پنجاب پر جانے کے لئے متعین کیا تو وہ اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ مگر رنجیت سنگھ کی بدگمانی یورپین کی نسبت ایسی ہے کہ ابھی پوری تین منزلیں بھی طے نہ ہونے پائی تھیں کہ رسالہ کا دستہ اس حکم سے اُن کے پیچھے بھیجا کہ پرتاب سنگھ کو واپس لے آئیں تاکہ وہ بطور کفالت اپنے باپ کی واپسی تک دربار میں رہے۔ شیر سنگھ کے علاقہ میں جب تک ہمارا سفر رہا تو ہمارے اور ہمارے جملہ ملازمین اور اردلی اور مویشیوں کی مہمانداری اُس کی جانب سے ہوتی رہی۔

۲۷ مئی

ادینا نگر ہم سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اس جگہ ہم نے اپنے نوعمر اور دلچسپ دوست پرتاب سنگھ سے ایک زنجیر و گھڑی طلائی گورنر جنرل کی طرف سے بطور یادگار پیش کر کے رخصت حاصل کی۔ اُس نے اپنی احسان مندی پسندیدہ الفاظ میں ظاہر کی۔ اور کہا کہ آپ لارڈ آکلنڈ سے کہہ دیجئے کہ گورنمنٹ برطانیہ شیر سنگھ کے لڑکے کو ہمیشہ اپنا دوست پائے گی۔ اس کے بعد اپنے گھوڑے پر جو جواہر نگار ساز اور مرصع کلغیوں سے آراستہ تھا سوار ہو کر خوش اسلوبی سے سلام کر کے اپنی اردلی کے سواروں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

۲۸ مئی

آج صبح کے کوچ کے بعد ہم ادینا نگر جس جگہ مہاراجہ فی الحال بود و باش رکھتے ہیں پہنچ گئے۔ یہ ایک وسیع باغ ہے اور اس کے وسط میں ایک نہر جاری ہے۔ علاوہ اس کے اس میں چند عمارتیں ہیں اور ایک درمیانہ درجہ کا زنانخانہ بھی موجود ہے جس میں ایک چھوٹی نہر جاری ہے اور روزانہ آبپاشی کے سبب سے مختلف قسم کے درخت اور پودے سبز اور شاداب نظر آتے ہیں اور اس جگہ رنجیت سنگھ عموماً موسم گرما بسر کرتے ہیں۔ اور ایک کثیر تعداد فوج کو جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے قواعد اور فنون جنگ کے سکھلانے میں مصروف رہتے ہیں۔

باغ کے خوبصورت دروازہ کے باہر ایک ہموار اور عمدہ میدان ہے۔ اور اُس کے مقابلہ میں

اوینانگر

تھوڑے فاصلہ پر پریڈ کی جگہ ہے اور ایک چھوٹا سا سرخ اور زرکش پشمینہ کا خیمہ دروازہ اور اس میدان کے درمیان میں ہمیشہ نصب کیا جاتا ہے۔ سامنے سے یہ خیمہ بالکل کھلا ہے۔ اور بوقتِ شب رنجیت سنگھ اس میں جا کر کھلی ہوا میں استراحت کرتے ہیں۔ محافظت کے واسطے صرف چند سکھ سپاہی ہوتے ہیں۔ اُن کی شمشیر اور ڈھال ہمیشہ اُن کے تکیہ کے متصل رہتی ہے۔ اور ایک گھوڑا زین شدہ اُن کے خیمہ کے سامنے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ علی الصباح ہر روز یا تو گھوڑے پر یا ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوج کا معائنہ کرتے ہیں۔ اور یا اپنے توپخانہ کی چاند ماری کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہمارے خیمہ گاہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر راجہ شیر سنگھ اور سچیت سنگھ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ جن کو مہاراج نے ہمیں فرودگاہ تک پہنچانے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ دونو سردار سنہری ہودج کے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آئے۔ اور اُن کی اردلی میں خاص رنجیت سنگھ کے گھوڑچڑھوں یا باڈی گارڈ کے پانچ سو سوار تھے۔ انہوں نے نہایت ہی عمدہ زرہ اور قیمتی رنگا رنگ کے ریشمین کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ راجہ سچیت سنگھ جن کو سر ہنری فین کی کمپ کی لیڈیاں ملک عادل کہتی تھیں۔ دھیان سنگھ وزیر اعظم کے بھائی ہیں اور سکھ سرداروں میں سے جو تمام نہایت خوش شکل ہیں یہ بہت حسین ہیں رنجیت سنگھ ان کی کمال درجہ کی وقعت کرتا ہے۔ اور نیز جملہ سکھ ان کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عمر اُن کی صرف ۲۸ سال کی ہے۔ ان کی پوشاک نہایت شاندار اور اس طرز کی ہے کہ ایک چمکیلی فولاد کا خود جس پر طلائی کام ہے سر پر۔ اور اس میں سے طلاء کاری جھالر لٹکی ہوئی کندھوں پر گر رہی تھی۔ بگلے کے تین سیاہ پر کلغی میں لگے ہوئے اور تین رنگ یعنی سفید و گلنار و نافرمانی پشمینہ کے دوپٹے خود کے اوپر باندھے ہوئے۔ اور یاقوت والماس کی جیغہ پیشانی پر۔ اور زرہ کے نیچے زرد رنگ ریشم کے کوٹ۔ فولادی مرصع کار طلائی دستانہ چڑھے ہوئے اور دونوں بازوؤں پر نہایت بیش قیمت یاقوت والماس کے بازوبند بندھے ہوئے اور گینڈے کی کھال کی ایک ڈھال طلاکاری سے مزین اور مرصع تلوار و بندوق سے مسلح تھے۔ اس پر اپنی کالی ڈاڑھی اور لمبی موچھوں کی زیبائش سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی ایک بانکا اور خوش وضع سکھ امیر ہے۔ شیر سنگھ[1] بھی خوش شکل اور

۱۔ یہ شخص رنجیت سنگھ کی ایک رانی کا جس کا نام مہتاب کور ہے توام لڑکا ہے۔ ۱۸۰۷ء میں جب مہاراج کچھ عرصہ کے بعد لاہور واپس آئے تو اس رانی کے بطن سے دو لڑکے توام جن کا نام شیر سنگھ و تارا سنگھ ہے پیدا ہوئے۔ اس رانی کی اخلاقی حالت پر پہلے ہی سے شبہ تھا اس لئے مہاراج نے دونوں لڑکوں کو ولد الحلال قرار نہ دیا۔ شیر سنگھ کے ساتھ جو خاص امتیاز سے سلوک ہوتا تھا اس سے کچھ پایا جاتا ہے کہ مہاراج نے اس کو کسی حد تک قبول کر لیا تھا لیکن تارا سنگھ بالکل نظر انداز رہا۔ صرف یہ ہی ایسے چند اشخاص ہیں جن کو اس عزت کا فخر ہے۔

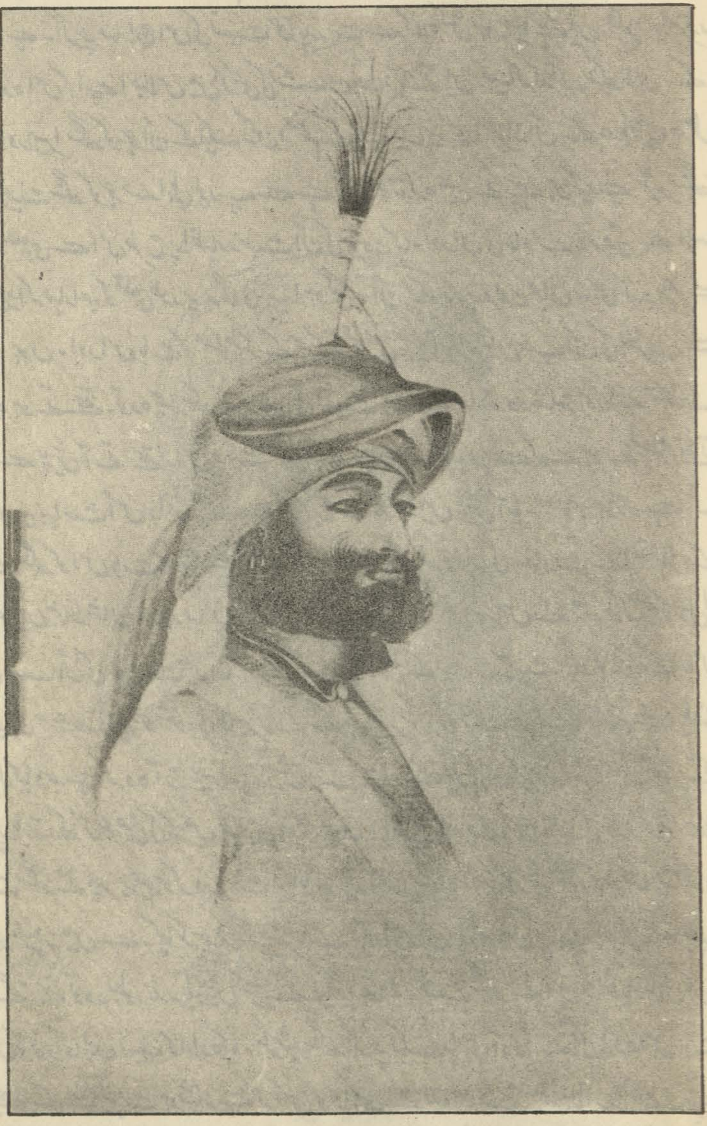

شیر سنگھ

مردانہ طرز کا آدمی ہے ۔ اور اُسی قسم کے پُر تکلف لباس سے آراستہ تھا۔ ان کو مہاراجہ کا لڑکا خیال کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ مہاراج اس کی نسبت حق پدریت سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اس کو اپنے اجلاس میں کرسی کی نشست عطا فرماتے ہیں۔ جیساکہ کھڑک سنگھ ان کے ولیعہد اور ہیرا سنگھ کو۔ جو اُن کے ایک رکن اعظم کے بیٹے ہیں یہ ہی اعزاز اُن کے دربار میں حاصل ہے رنجیت سنگھ کو جو حسد اہل یورپ سے ہے اُس کا تذکرہ میں نے پہلے ہی کیا ہے شیر سنگھ نے بدنصیبی سے اس طرح پر اظہار رغبت اُن کی طرف کیا۔ اور ان کی عادات و روّیہ سے ایسا اُنس پکڑا کہ مہاراجہ کو قطعی طور پر بدگمانی پیدا ہو گئی ۔ اُن کے روبرو تو یہ مجال نہ تھی کہ وہ ہم سے ہمکلام ہوں ۔ اور اس بات کو معلوم کر کے ہم کو رنج بھی پہنچتا تھا۔ لیکن جب اُن کی نظروں سے علیحدہ ہوتے تھے ۔ تو وہ جملہ سکھ سرداروں کی نسبت ہمارے ساتھ دوستانہ اور بے تکلف طریقہ سے پیش آتے تھے ۔ اس وقت معمول سے زیادہ وہ نظروں سے گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بباعث اُس واقعہ کے ہے جو آج صبح کے دربار میں پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کو اس بات کا بڑا خیال ہے کہ وہ لوگ جو گورنر جنرل کی سفارت کے استقبال کے لئے جائیں بلحاظ شان دربار لباس فاخرہ و ممتازنہ سے آراستہ ہوں۔ اس لئے حکم ملا کہ صبح کو قبل از روانگی سب اُن کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ چنانچہ صبح کے وقت سچیت سنگھ کو اُن کے لباس اور زیور کی خوبصورتی پر خوشنودی ظاہر کرنے کے بعد شیر سنگھ کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ وہ آج بغیر اپنے بیش قیمت زیور کے ہیں اس پر اُس نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر عرض کی کہ میں سپاہی آدمی ہوں ۔ اور میں صرف اسی زیور کی قدر کرتا ہوں رنجیت سنگھ نے پھر برہم ہو کر دریافت فرمایا کہ زیور کہاں چلا گیا۔ آخر کار شیر سنگھ کو یہ کہنا پڑا کہ وہ سرکاری خزانہ میں ہے ۔ کیونکہ چند ماہ بیشتر جب مہاراج اُن کے مکان پر بے تکلف تشریف لے گئے تھے تو وہ بطور نذر یا پیش کش کے دیا گیا تھا ۔ رنجیت سنگھ نے اس پر اظہار ملال کیا۔ اور اُس کو فوراً واپس دینے کا ارادہ کیا ۔ مگر شیر سنگھ اگرچہ ایک سپاہی آدمی ہے لیکن وہ اس بات کو سمجھنے کے لئے بہت ہوشیار ہے کہ اُس کو واپس لے لینا خلاف مصلحت اور دانشمندی ہے۔

یہ لوگ جو سفارت کے طور پر آئے تھے ہم کو خیمہ پر لے گئے جو آم کے پیڑوں کے نیچے کنارہ نہر پر رنجیت سنگھ کے باغ سے تھوڑے فاصلہ پر نصب تھے۔ ہماری اردلی میں جو توپ خانہ

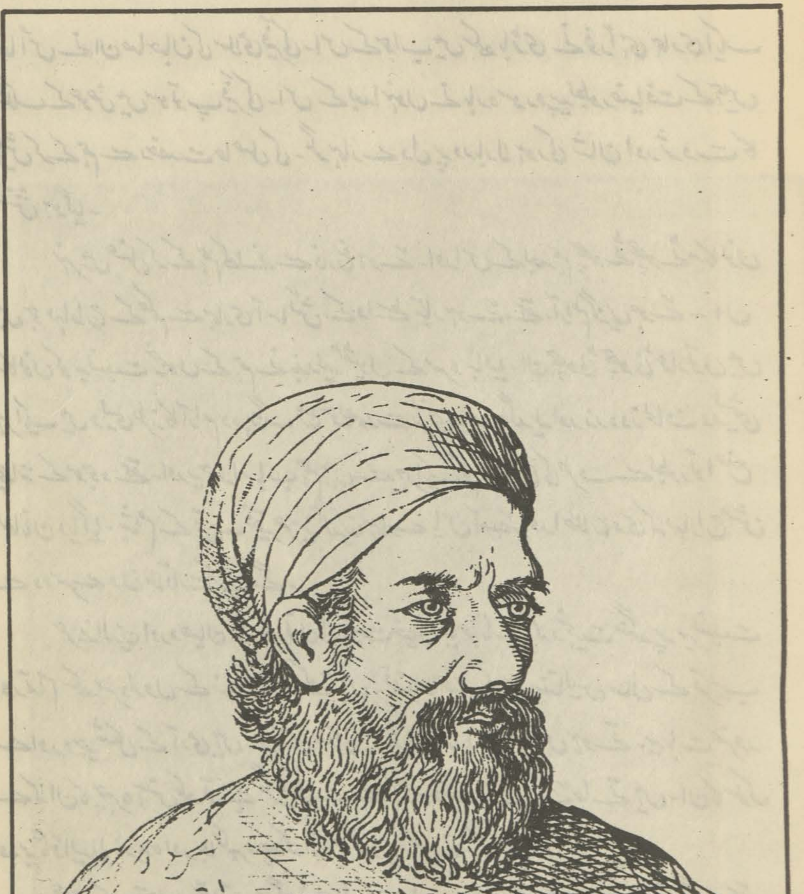

فقیر عزیز الدین

تھا اُس نے ان صاحبان کی سلامی فیر کی ۔ اس کے جواب میں سکھ باڑی نے فوراً ہی ہماری ایک شلک کے عوض میں سو توپ فیر کی ۔ اس کے بعد انہوں نے بارہ سو روپیہ بطور ضیافت کے ہمیں پیش کر کے ہم سے رخصت حاصل کی ۔ مگر ہمارے دل پہ دربار لاہور کی شان اور ثروت کا نقش ہو گیا ۔

نہر میں غسل کر کے ہم کھانے سے فارغ ہوئے ۔ اور اس کے بعد ہم چھوٹے چھوٹے مکانوں میں جو مہاراج کے حکم سے ہماری آسائش کے واسطے تیار ہوئے تھے ۔ آرام گزیں ہوئے ۔ ان مکانوں کو بہ نسبت خیموں کے ہم نے بذریعہ ٹٹیوں کے سرد بنا لیا ۔ ان چھوٹی چھوٹی عمارتوں میں ہر ایک میں دیسی طرز کا آرام دہ پلنگ مع خوبصورت ریشمی چادر و گدیلہ اور زردوز لحاف و ریشمی چھاتہ کے موجود تھے ۔ اور یہ جملہ اسباب ہم میں سے ہر ایک کو مہاراج کی طرف سے بطور تواضع مہمانان دیا گیا ۔ شام کے قریب فقیر عزیزالدین ہمارے پاس آئے اور اطلاع دی کہ مہاراج ہم سے دوسرے دن ملاقات کریں گے ۔

عزیزالدین اور دھیان سنگھ دونوں کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ پر بہ نسبت اور تمام سکھ سرداروں کے زیادہ اثر رکھتے ہیں ۔ فقیر صاحب کی عمر پینتالیس سال کے قریب ہے اور وجیہ شکل کے آدمی ہیں ۔ مگر جسمی صفائی میں زیادہ محتاط معلوم نہیں ہوتے ۔ یہ بات ضرور ہے کہ ان کا چہرہ ہنس مکھ تو ہے مگر بشرے سے آثار ہوشیاری کے پائے جاتے ہیں ۔ ان کا سلوک اور برتاؤ ایسا پسندیدہ اور بلا تکبر ہے کہ اُن پر گرویدہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔

شام کے وقت وہ تحائف جو گورنر جنرل کی طرف سے مہاراج کے واسطے لائے گئے تھے آراستہ کئے گئے تاکہ صبح کی ملاقات کے وقت تیار رہیں ۔ وہ مفصلہ ذیل تھے ۔

تصویر لارڈ آکلنڈ کی نہایت ہی خوشنما الماس کے ستاروں میں لگی ہوئی اور بڑے بڑے موتیوں کی سلک سے آویزاں ۔

پستول طلائی دستوں کے دو عدد ۔

تلوار دمشق کی جس کا طلائی میان مرصع تھا ایک عدد ۔

گھوڑے بھرو برپڈ مع جملہ ساز و سامان طلائی و مرصع دو راس ۔

۲۹ رمئی

قریب سات بجے صبح کے راجہ سچیت سنگھ اور سردار اجیت سنگھ ہمارے خیمہ میں تشریف

اجیت سنگھ

لائے کہ ہم کو مہاراج کی خدمت میں لے جائیں۔ ہم بلاتوقف ہاتھیوں پر سوار ہو کر مع اپنے اردلی اور جملہ جلوس کے جو ہم بہم پہنچا سکے باغ کی جانب روانہ ہوئے۔ دروازہ کے سامنے ہم نے دیکھا کہ دو قواعد دان پلٹنیں سپاہیوں کی بطور اعزازی گارڈ کے موجود تھیں۔ علاوہ اس کے کچھ توپخانہ بھی موجود تھا جس نے ہماری سلامی میں سو توپیں سر کیں۔ دروازہ پر ہاتھیوں سے اتر کر باغ میں پاپیادہ داخل ہوئے اور دو سکھ سردار ہم کو ایک وسیع روش پر جو تین سو گز کے قریب لمبی تھی لے گئے۔ اس کے دونوں طرف رنجیت سنگھ کے گھوڑ چڑھے صف باندھے زرہ پہنے تھے۔ ان رنگتوں کے سبب سے وہ تمام روش دروازہ سے لے کر محل تک ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا ایک خوشنما اور بڑا لالہ زار کا کنارہ معلوم ہوتا ہے۔ جس وقت ہم برآمدہ کے قریب پہنچے۔ تو رنجیت سنگھ کے وزیر دھیان سنگھ آگے آئے۔ اور ہم کو درباری محل میں لے گئے۔ جس کے دروازہ کے متصل مہاراج خود ہم کو لینے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔ دوستانہ طریق پر بغل گیر ہونے کے بعد وہ ہم کو اس کمرے کے دوسرے کنارے پر لے گئے۔ اور ہم کو اپنے سامنے طلائی کرسیوں پر بٹھلایا۔ راجہ شیر سنگھ اُن کے دستِ راست اور راجہ ہیرا سنگھ اُن کے وزیر کے لڑکے دستِ چپ کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ علاوہ کھڑک سنگھ ولیعہد کے صرف یہی دو تو سردار ممتاز ہیں۔ کہ ان کو دربار عام میں کرسی ملتی ہے۔ اگرچہ خلوت میں بعض دفعہ تین گرنتھیوں کو بھی یہ استحقاق دیا جاتا ہے جو اس کے روحانی مشیروں کا کام کرتے ہیں۔ کمرے میں پشمینہ کے بیش قیمت قالین کا فرش تھا۔ اور ایک سائیبان نہایت ہی نفیس پشمینہ کا جس پر طلائی زردوزی تھی اور بے بہا جواہر لگے ہوئے تھے طلائی چوبوں کے ساتھ نصب تھا۔ یہ نظارہ نہایت دلفریب تھا۔ باغ کی روشوں پر ہر جگہ سپاہی استادہ تھے۔ اور تخت کے عقب میں رنجیت سنگھ کے سرداروں کا ہجوم تھا۔ علاوہ اس کے سرداران قندھار کابل و افغانستان مرصع زیور اور زر بفتی لباسوں سے چمک رہے تھے ہر ایک قسم کی مختلف طرز وضع سے مسلح و آراستہ ہو کر ان کے ساتھ کھڑے تھے۔ سنہری کرسی پر ایک سادہ سفید لباس پہن کر شیرِ لاہور دو زانو بیٹھا ہوا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا ایک ہار گلے میں اور مشہور الماس یعنی کوہ نور بازو پر پہنا ہوا تھا۔ یہ الماس اپنی چمک میں اس نگاہ کی تیزی کے ساتھ مقابلہ کرتا تھا جو ان کی ایک آنکھ[1] سے کبھی کبھی اس حالت میں جبکہ وہ بیتابی سے اِدھر اُدھر دیکھتے تھے نکلتی تھی۔

---

[1] یہ مشہور بات ہے کہ رنجیت سنگھ کی ایک ہی آنکھ قائم تھی اور اس عیب سبب سے ان کی صورت میں ایک بڑا بھاری نقص پیدا ہوگیا۔

رنجیت سنگھ کا دربار

جس وقت رنجیت سنگھ نے نشست فرمائی تو ان کے جملہ سرداران ان کی کرسی کے ارد گرد فرش پر بیٹھ گئے۔ مگر دھیان سنگھ اپنے آقا کی کرسی کے پیچھے کھڑے رہے اگرچہ خود تو کچھ بھی وجاہت نہیں رکھتے۔ مگر رنجیت سنگھ اس بات کے بہت شائق معلوم ہوتے ہیں کہ ان کی خدمت میں خوش شکل آدمی رہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مشرق میں یا یورپ میں بہت کم ایسے دربار ہیں جو کہ ایسے خوبصورت آدمیوں کا جیسا کہ یہاں بڑے بڑے سکھ سردار ہیں جمگھٹا دکھا سکیں۔ راجہ دھیان سنگھ ایک نجیب سکھ صورت کے انسان ہیں۔ ان کا قد ہندوستانیوں کے معمولی قد سے کسی قدر لمبا ہے۔ تیزی اور فہمیدگی ان کی آنکھوں سے نمایاں ہے۔ ان کی پیشانی بلند اور خوبصورت ہے اور نقش و نگار نہایت موزوں ہیں اور وہ چمکیلا طلائی خود اور بکتر جو لوئی فلپ شاہ فرانس نے تحفۃً بھیجا تھا زیب تن کئے ہوئے خوبصورتی و فراست و مردانگی کا نمونہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کی عمر قریباً تیس ۳۰ سال کی ہے۔ اور ان کا آقا ان پر بھروسہ و اعتقاد کلّی رکھتا ہے۔ چست ہوشیار اور فہمیدہ ہیں۔ اور قوم سکھوں پر ان کا بہت بڑا رعب ہے۔ اور رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد یہ اس کے مستحق اور زبردست امیدواران میں سے ہوں گے[1]۔ بیشمار دولت اور بیحد جائیداد کے علاوہ ان کے قبضہ

۱۔ رنجیت سنگھ نے چونکہ یہ سلطنت جدی ترکہ سے حاصل نہیں کی تھی بلکہ ذاتی فتوحات کا نتیجہ تھا۔ اس لئے عام طور پر یہ خیال تھا کہ مہاراج کے انتقال کے بعد تخت نشینی کی بابت آپس میں لڑائی جھگڑے پیدا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ مشرق میں ہر ایک حکمران کے بعد عموماً بدنظمی اور فساد پھیل جاتے ہیں اور اس موقع پر جو کوئی نامور سلطنت میں سے لائق اور دلاور شخص ہوتا ہے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر تخت نشین ہو جاتا ہے۔ یہ متزلزل حالت حکمران شاہی خاندانوں کی اب تک بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر۔ ایران۔ کابل۔ چین وغیرہ وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسے پولٹیکل انقلابات کا اثر جو قومی آزادی پر پڑتا ہے وہ آجکل کے زمانہ میں صاف طور پر اس طرح ظاہر ہے کہ باقیماندہ سلطنت ہائے ایشیا اقوام یورپ کے لئے شکار گاہیں بن گئی ہیں چونکہ ان میں حمیت قومی اور حب الوطنی کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔ اس لئے ان کی قائمی صرف اس سبب سے ہے کہ اقوام یورپ آپس کے حسد اور خوف کے سبب سے ظاہر طور پر پیش قدمی نہیں کر سکتے۔ موجودہ حالت میں سلطنت پنجاب سکھ سرداروں کی خودغرضی اور بے وفائی کے سبب سے تباہ ہو گئی۔ اور ایک دور اندیش آدمی مہاراج کی زندگی ہی میں دیکھ سکتا تھا کہ جو حالت مرہٹوں کی پانی پت کی لڑائی کے بعد ہوئی تھی۔ وہ ہی پنجاب کی مہاراج کے انتقال کے بعد ہو جائے گی۔ چنانچہ مہاراج کی آنکھ بند ہوتے ہی نو سال کے اندر اندر وہ واقعات پیش آئے جنہوں نے حکومت پنجاب سکھوں سے لیکر ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں دیدی۔ جو بلحاظ اخلاق انصاف

(باقی اگلے صفحے کے نیچے)

میں ایک بڑا بھاری ملک ہے۔ جس پر یہ نرمی اور انصاف سے حکمراں ہیں۔ اور ان کا برتاؤ بلا تکبر شریفانہ اور مردانہ ہے۔ مگر اہلِ یورپ سے بہت متنفر اور سرد مہر ہیں۔ جن سے یہ خوفزدہ بھی ہیں اور نفرت بھی معمولی کینہ سے زیادہ کرتے ہیں۔ اور کبھی اس موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے کہ اپنے اثر کو مہاراج پر ان کے برخلاف استعمال کریں چونکہ یہ پسندیدہ اور مقتدر آدمی ہیں اس لئے لوگ ان کے جوہر ذاتی کو زیادہ پسند کرتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ اُن کی طاقت و رُعب سے خوف زدہ ہو کر حسد کریں۔

راجہ ہیرا سنگھ کی عمر جو کہ رکن اعظم کے لڑکے ہیں ۱۷ سال کی ہے۔ رنجیت سنگھ ان کو سب سرداروں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے والد بھی اس بات سے مستثنیٰ نہیں۔ اُن کا اثر رنجیت سنگھ پر غیر معمولی طرز کا ہے اور وہ ایسے طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ جو اور کسی ملک میں ان کو رسوا اور بدنام کر دیتا۔ مگر اس جگہ ہر ایک کوئی ان کی حرمت اور توقیر کرتا ہے۔ صرف انہیں کو ایسی جرأت حاصل ہے کہ رنجیت سنگھ کے ساتھ بغیر بلانے کے ہمکلام ہوں۔ اور جس وقت ان کے والد اپنے آقا کی کرسی کے عقب میں کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی اس بات کی دلیری نہیں کر سکتے کہ بغیر ہاتھ جوڑنے کے مہاراج سے بات کریں۔ یہ صاحب زادہ گفتگو میں دخل دینے اور بات کو نہایت گستاخی سے رد کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ ایک مثال اس بات کی کہ مہاراج کی مہربانی پر وہ کیسے نازاں ہیں یہ ہے۔ ادینا نگر میں ہماری آمد کے وقت اس کا عام چرچا تھا۔ سالانہ خراج جس وقت کشمیر سے آیا تو حسب معمول مہاراج کے ملاحظہ کے واسطے دربار میں فرش پر کھول کر لگایا گیا۔ دوشالے اور اسلحہ اور جواہرات وغیرہ جس کی قیمت بیس ہزار اشرفی سے زیادہ تھی۔ اس خراج میں آئے تھے۔ نو عمر ہیرا سنگھ نے بغیر کسی توقف کے مہاراج سے عرض کی کہ حضور کو ان سب چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے ہی عنایت فرماویں۔ اس کے جواب میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴)

اور دلاوری کے ان سے بہت زیادہ مستحق تھی۔ چونکہ دھیان سنگھ سکھ سرداروں میں سب سے زیادہ لائق، فہمیدہ اور بہادر تھا اس لئے آنریبل آسبرن کا یہ خیال کہ رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد وہ تخت کے مستحق دعویداروں میں سے ہوں گے۔ کچھ غلط نہ تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی چہیتی مہارانی جندکور (۱۸۱۶ء - ۱۸۶۳ء)

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ہیرا سنگھ

مہاراج نے کہا کہ اچھا لے لو۔ ہیرا سنگھ نہایت خوبصورت ہے۔ اگرچہ شکل پر کچھ زنانہ پن برستا ہے اُن کا لباس نہایت پُر تکلف ہے اور کمر سے لے کر اوپر تک بالکل سلک مروارید والماس و زمرّد اور یاقوت سے مزین ہے۔ وہ ہوشیار اور ذی فہم ہے۔ اور انگریزی سیکھنے کا شوق رکھتا ہے اور چند گھنٹے تک ہر روز اُس کی تعلیم پاتا ہے۔ اور اس میں بہت سی ترقی بھی حاصل کر لی ہے۔ اور شاید یہ ہی ایک ایسے ہیں جو یہ بات کھلے طور پر کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ خوش اخلاق اور شریفانہ اور ظرافت آمیز طبیعت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دربار لاہور میں یہ بہت ہر دل عزیز اور خوش خلق درباریوں میں سے ہیں۔

جس وقت جملہ صاحبان اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے اور مہاراج کے دریافت فرمانے پر ہم نے لارڈ آکلنڈ کے مزاج کی اطمینان بخش کیفیت بیان کر دی تو تحائف پیش کیے گئے۔ اور ظاہرا بڑی مسرت سے قبول ہوئے۔ برخلاف معمولی ملکی رواج کے رنجیت سنگھ نے فروتنی سے ہر ایک چیز کو بہت غور سے دیکھا۔ اور خزانہ میں داخل کیے جانے سے پہلے ہر ایک جواہر اور موتی کی اچھی طرح سے جانچ پڑتال کر لی۔ چونکہ یہ ملاقات صرف روشناسی کی غرض سے تھی سفارت کے اغراض پر کوئی گفتگو نہ کی گئی۔ ہمارا جملہ وقت اس بات میں صرف ہوا کہ مہاراج کے بے انتہا سوالات کا جواب دیں۔ اگرچہ اس پر بھی ہم سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کے بیحد اشتیاق جویائی کی اطمینان کر سکیں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ہم اس بات کا پورا اظہار کر سکیں کہ یہ سوالات کس تیزی سے کیے جاتے تھے اور کس قدر مختلف مضامین کے متعلق ہوتے تھے۔ مثلاً وہ دریافت فرماتے تھے کہ آپ شراب پیتے ہیں اور کس قدر۔ جو شراب میں نے کل بھیجی تھی کیا آپ نے وہ چکھی تھی؟ اُس میں سے آپ نے کس قدر پی تھی؟ آپ اپنے ساتھ کس قدر توپخانہ لائے ہیں؟ کیا اُن کے ساتھ کچھ پھٹنے والے گولے ہیں؟ اور وہ کس قدر ہیں؟ کیا آپ گھوڑے کی سواری پسند کرتے ہیں؟ آپ کو اس ملک کے کون سے گھوڑے پسند آئے ہیں؟ کیا آپ فوج میں ہیں؟ آپ کو رسالہ زیادہ پسند ہے یا پیادہ؟ کیا لارڈ آکلنڈ شراب پیتے ہیں؟ کتنے گلاس پیتے ہیں؟ اور کیا وہ صبح کے وقت پیتے ہیں؟ اور کمپنی کی فوج کی کس قدر تعداد ہے؟ کیا وہ پورے طور سے قواعد دان ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

انہوں نے اپنے سرداروں میں سے ایک سے ہی ہماری ملاقات کرائی۔ جن کا نام لہنا سنگھ ہے۔ یہ بہت ہوشیار کلوں کے بنانے والے ہیں اور رنجیت سنگھ ان کو اس بات سے

بہت عزیز رکھتے ہیں کہ انہوں نے پھٹنے والے گولے تیار کئے ہیں جو مہاراج نے پہلی دفعہ رپورٹ کے ۱ اکتوبر ۱۸۳۱ء میں بوقت ملاقات لارڈ ولیم بینٹنگ استعمال ہوتے دیکھے تھے اور اسی وقت سے اُن کے بہت شائق ہو رہے تھے۔ جست سے تیار کئے جاتے ہیں۔ اور بہت عمدہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پریڈ پر آکر ان کی افواج کو دیکھیں اور اس بات کی درخواست کی کہ صفائی دل سے اس بات کا اظہار کریں کہ ہمارا اُن کی قواعد کے متعلق کیا خیال ہے۔ جب اس قسم کی متفرق گفتگو میں ایک گھنٹے سے زیادہ صرف ہو گیا تو مہاراج اُٹھ کھڑے ہوئے اور بغلگیر ہو کر ہم کو جانے کی اجازت دی۔ مگر اثناء معانقہ میں صندل کے تیل کی خوشبو ایسی غالب ہوئی کہ ہمارا دم گھٹنے لگا۔ ہماری واپسی پر وہی رسومات ادا کی گئیں جو آمد کے وقت عمل میں آئی تھیں۔

بدشکل تو واقعی وہ ہیں۔ مگر رنجیت سنگھ کے چہرہ کو دیکھ کر ہر ایک کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی غیر معمولی آدمی کا ہے۔ اور اگرچہ پہلی دفعہ اُن کی شکل دل میں کراہیت بلکہ نفرت کے خیالات پیدا کرتی ہے۔ مگر دوسری دفعہ دیکھنے میں یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہ کس قدر فہمیدہ ہے اور ایک آنکھ کا مضطربانہ اِدھر اُدھر دیکھنا اس قدر دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ کہ دیکھنے والا اُن کی سادگی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ پہلی دفعہ دیکھنے سے تو اُن کا چہرہ مکروہ اور عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اس بات کا ضرور اقبال کرنا پڑتا ہے کہ دانشمندی اور تیزی اُن کے بشرہ سے نمایاں ہے۔

اُن کا قد سکھوں کے معمولی قامت سے کسی قدر کم ہے اور زیادہ تر اس سبب سے بھی کم معلوم ہوتا ہے کہ وہ عموماً جھکنے کے عادی ہیں۔ اور جب کبھی چلنے پھرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹانگوں میں کچھ کمزوری ہے۔ مگر جس وقت گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں تو سب کمزوری رفع ہو جاتی ہے۔ قریباً تین سال کا عرصہ ہوا کہ ان کو فالج کا مرض ہو گیا تھا۔ اور اس سبب سے گفتگو کرتے وقت زبان میں لکنت ہے۔ اُن کے مصاحبوں کا بیان ہے کہ گزشتہ سال میں اُن کی صحت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ اگرچہ اصلی عمر تو اُن کی اتنی نہیں تاہم لمبی ڈاڑھی اور موچھوں کے سبب سے بزرگوار معلوم ہوتے ہیں۔ اٹھاون برس کی عمر میں بھی وہ خوش اور زندہ دل ہیں۔ گو اپنے تصوّر میں اپنے آپ کو بیمار سمجھتے ہیں۔

رنجیت سنگھ بہت دلاور آدمی ہے۔ اور یہ ایسی صفت ہے جو قوم سکھوں میں کم دیکھی جاتی ہے۔ اور چند سال سے مہاراج خود لڑائی میں فوج کے آگے ہوا کرتے تھے۔ ان کی عادت کچھ عرصہ پہلے فیاضی اور کشادہ دلی کی طرف بہت راغب تھی۔ اور اس بات کی اُن کو عادت تھی کہ

لڑائی میں جاتے وقت اُن کے بازو طلائی کڑوں سے بھرے رہتے تھے۔ اور جب کبھی اپنے سپاہیوں میں سے کسی کو کوئی بہادری کا کام کرتے دیکھتے تھے تو فوراً ایک جوڑا کڑوں کا اتار کر بطور انعام اس کو دے دیتے تھے۔ اب بہ سبب پیرانہ سالی کے لالچ کا عیب اُن میں بہت بڑھتا جاتا ہے۔ اس وقت پشاور میں تین باقاعدہ پلٹنوں میں سے دو پلٹنیں بسبب نہ ملنے تنخواہ کے سرکش ہو رہی ہیں۔ ایک کو اٹھارہ اور دوسری کو بائیس مہینے سے تنخواہ نہیں ملی۔ روپیہ کی اس قدر حرص ہے کہ اگرچہ امرت سر کے خزانہ میں ساٹھ لاکھ اشرفی موجود ہے۔ مگر سلطنت کے تباہ ہونے کا خطرہ قبول کیا جاتا ہے۔ اور وہ خزانہ کھولنا ناگوار ہے۔ اور ایک ایسے وقت میں جبکہ اُن کا نہایت ہی سخت دشمن دوست محمد خاں اور دیگر افغان اُن کو نیست و نابود کرنے کے لئے صرف موقعہ کی انتظاری کر رہے ہیں۔ وہ اپنے بے وقت اور بے رحم بُخل سے اپنی فوج اور رعایا دونوں کو متنفر کر رہے ہیں۔

شام کے قریب مہاراج کا جمعدار بموجب حکم کے ہمارے پاس یہ دریافت کرنے کی غرض سے آیا۔ کہ آیا ہم کو طوائفوں کے دیکھنے کی کچھ خواہش ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اظہار کیا کہ چار کشمیری رنڈیاں جو ابھی آئی ہیں بہت حسین ہیں۔ ہم اس کو منظور کر کے کھانے کے بعد ایک چبوترے پر چلے گئے۔ جو نہر کے کنارے پر تھا۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ آٹھ نوعمر طوائف موجود ہیں۔ اور نہر کے دوسرے کنارے پر ہماری تفریح کے واسطے آتشبازی کا سامان بھی لگا ہوا ہے۔ چار کشمیری نوعمر رنڈیاں بہت حسین تھیں۔ اور ان میں سے ایک جس کا نام صاحبو تھا ایسی خوبصورت تھی کہ ہر ملک میں وہ پسندیدہ خیال کی جا سکتی تھی۔ اُن کا لباس نہایت قیمتی اور خوبصورت سرخ زرد و زنہ پشمینے کا تھا۔ اور اُن کی ریشمی دستکاری کی پیشواز بہت گھیر دار تھی اور وہ زیور جو انہوں نے سر پر پہن رکھا تھا بہت موزوں اور خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ ان کے سیاہ بال گیسوؤں کے طریقے پر ان کی پشت پر پڑے تھے۔ جن کے کناروں پر طلائی سکے اور چھوٹے چھوٹے موتیوں کے گچھے بندھے ہوئے تھے کانوں میں موتیوں کی بڑی بڑی لڑیاں تھیں۔ اور ناک میں سونے کے بڑے بڑے تار جن میں موتی اور زمرد آویزاں تھے، پہنے ہوئے تھے۔ ان کی رنگت بہت ہی سفید ہے۔ چہرے نہایت دلفریب اور آنکھیں بڑی بڑی اور دلکش ہیں۔ مغل عورتوں میں جو یہ عادت ہے کہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سنہری ورق لگاتے ہیں۔ اس سبب سے ان کی خوبصورتی میں بہت نقص پڑ جاتا ہے اور ان کا چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔

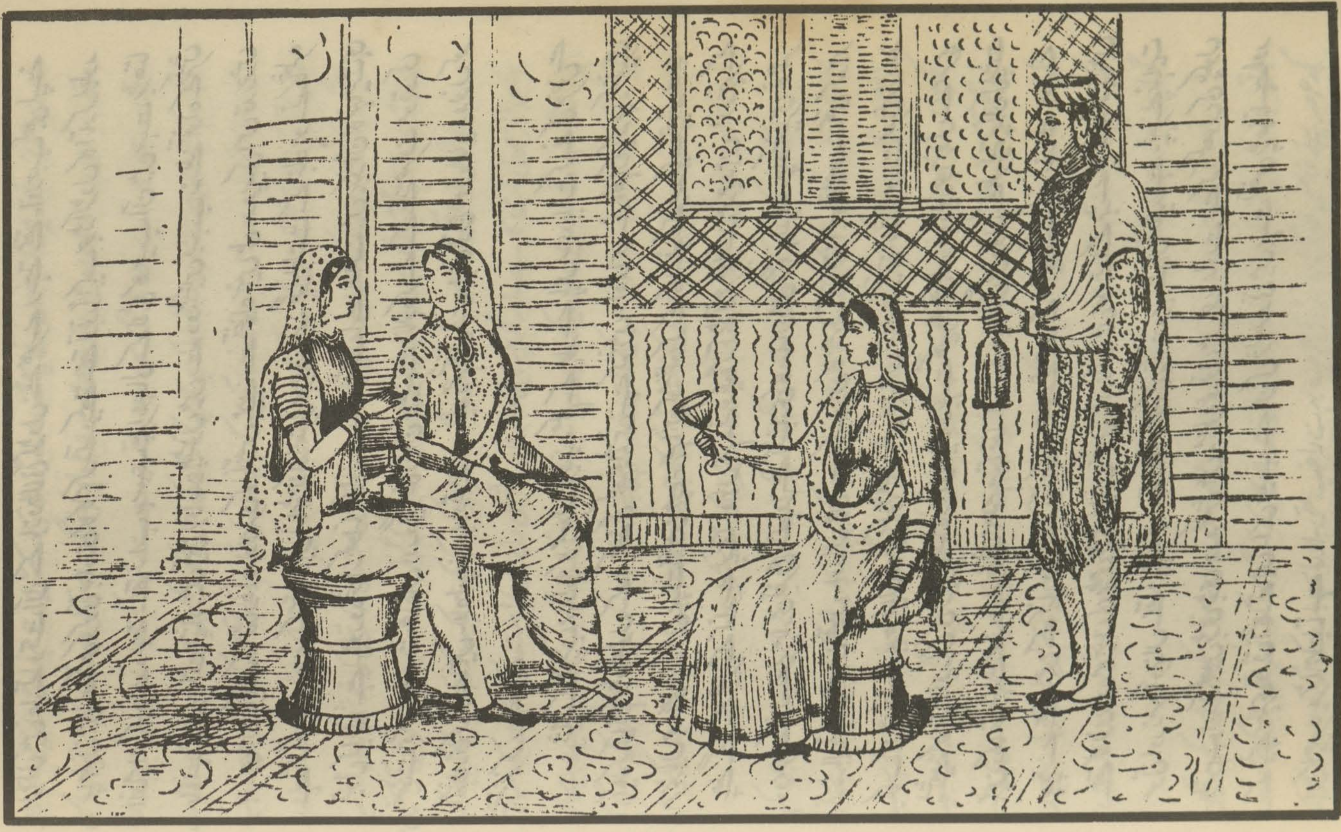

طوائفانِ پنجاب

ان میں سے ایک نوجوان طوائف دربار لاہور میں بہت مشہور ہے۔اس کا نام کنول ہے۔ دو سال کا عرصہ ہوا کہ رنجیت سنگھ کے پاس کشمیر سے خراج میں آئی تھی۔اس وقت کہتے ہیں کہ یہ نہایت ہی قبول صورت تھی۔مہاراج کو اس سے بہت تعشق ہو گیا۔اور اپنے خیال میں یقین رکھتے تھے کہ اُس کا دل بھی ان پر فریفتہ ہے۔ایک دن جبکہ اس کا ناچ ہو رہا تھا تو مسیون ونتورا (جو ایک اٹلی کا باشندہ مہاراج کی ملازمت میں افسر تھا) کے ساتھ اثنائے گفتگو میں مہاراج نے کچھ تذکرہ اُس کی محبت کا کیا۔اور اظہار کیا کہ اُس کا تعشق ان کے ساتھ قطعی بلاغرض ہے اور ایسا دلی اور پائیدار ہے کہ اگر کسی اور جگہ سے کتنا ہی لالچ ملے اور سبز باغ دکھلایا جائے تو بھی ہرگز کنول کے خیالات میں تغیر پیدا نہ ہو۔ونتورا کو اس بات پر یقین نہ ہوا۔اور رنجیت سنگھ نے دل میں یہ خیال کر کے کہ مسیوں ونتورا یہ سمجھتے ہوں گے کہ بھلا ان (مہاراج) پر کون فریفتہ ہو سکتا ہے۔طیش کی حالت میں کہا کہ اگر ممکن ہو تو اچھا تم ہی ورغلان کے دکھاؤ۔اور یہ وعدہ کیا کہ کنول کو محلسرا میں بند کیا جاوے گا اس کے ماسوا کوئی اور رکاوٹ نہ پیدا کی جاوے گی۔ونتورا نے پہلے تو چند بار بخیال ادب کے عرض کیا کہ اس سے ہرگز یہ عمل نہیں ہو سکتا کہ اپنے آقا کی ہمسری و رقابت کرے۔مگر آخر کار اس نے اُس کا بیڑہ اٹھا لیا۔نو عمر کنول فوراً شاہی محلسرا میں بھیج دی گئی اور ہر قسم کی نگرانی اور احتیاط کے ساتھ اس کی محافظت کی گئی۔شیکسپیر نے ڈیسڈیمونا کے ڈراما میں عورتوں کی بابت بالکل سچ لکھا ہے کہ وہ دلفریب تو بہت ہیں مگر عصمت ان کی مشکوک ہے۔آج تک بھی وینس سے لیکر ورونا تک اُن کی حالت اغلباً ایسی ہی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پنجاب میں تو عورتیں ایسی ہی ہیں کیونکہ ابھی پورے اڑتالیس گھنٹے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ لاہور کے بوڑھے شیر کو جو عشق و تعشق کی خواب خرگوش میں مدہوش تھا بیدار کر کے یہ خبر سُنائی گئی کہ اس کے محافظ نمک حرام نکلے اور اس کے حرم کی رسوائی ہوئی اور وہ خود تنہا رہ گئے یعنی دلفریب کنول اپنے شاہی طالب کے باغ سے نکل کر باشندہ اٹلی کے چمن میں جا بسی اور وہ اب وہاں اپنی رعنائی و خوشنمائی کے ساتھ شگفتگی کی حالت میں ہے۔رنجیت سنگھ نے اُس کی بے وفائی کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔کچھ عرصہ کے بعد کنول پھر مطیع ہو گئی اور اب وہ اُس کی عورتوں کی فوج میں بھرتی ہے۔مگر کچھ عرصہ سے وہ بہت بیمار رہتی ہے۔سُنا جاتا ہے کہ اُس کی شکل میں بھی بہت تغیر پیدا ہو گیا ہے۔تاہم کنول اب تک ایک حسین عورت ہے۔

۳۰ مئی

آج جبکہ میں حاضری کھانے سے پیشتر گھوڑے کی سواری سے واپس آرہا تھا تو مجھے رنجیت سنگھ کے ایک گھوڑ چڑھے نے آکر پیغام دیا کہ مہاراجہ نے مجھ کو یاد فرمایا ہے اور وہ توپخانہ کی چاند ماری پر میرے منتظر ہیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ سنہری ہوا دار میں جس میں آئینے لگے ہوئے تھے بیٹھے ہیں اور چند سکھ سوار اردلی میں حاضر ہیں اور نیز نوجوان ہیرا سنگھ بھی اُن کے ساتھ ہوادار میں بیٹھا ہے۔ مہاراج نے حسبِ عادت فوراً مجھ پر سوالات کی بھرمار شروع کی۔ کیا آپ نے میری کشمیری طوائفوں کو دیکھا؟ آپ نے اُن کو کیسا پسند کیا؟ اور کیا وہ ہندوستان کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہیں؟ اور کیا وہ انگریزی عورتوں کے برابر حسین ہیں؟ ان میں سے آپ نے سب سے زیادہ کس کو پسند کیا؟

مَیں نے جواب دیا کہ میں ان سب کا بہت مشتاق ہوں۔ اور میرے خیال میں ان میں سے دو جو بہت ہی حسین تھیں ان کا نام بتلایا۔ اس پر مہاراجہ نے کہا واقعی وہ نہایت خوبرو ہیں۔ لیکن میرے پاس اور بھی ہیں جو اُن سے بھی زیادہ شکیلہ ہیں۔ آج شب کو تو میں انہیں تمہارے پاس بھیجوں گا۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ تم کو پسند ہو اُسے اپنے پاس رکھنا۔ میں نے اس بیحد فیاضی پر شکریہ ادا کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ میرے پاس تو اور بہت موجود ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے مضمون بدل کر گھوڑوں کا تذکرہ شروع کیا۔ اور میں نے موقعہ دیکھ کر اُس مشہور گھوڑے کی بابت دریافت کیا جس کا نام لیلی تھا اور جس کے لے لینے کی غرض سے انہوں نے ایک حکمراں سے عرصہ تک بصرف کثیر لڑائی برپا رکھی تھی۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ گھوڑا ہمہ صفت موصوف ہے۔ اور آج تک اُس سے بہتر کوئی گھوڑا میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر اب بہت عمر رسیدہ ہو گیا ہے۔ پھر وہ مجھ کو دکھلانے کی غرض سے منگوایا گیا۔

رنجیت سنگھ کا اشتیاق گھوڑوں کی بابت اس حد تک ہے کہ اس کو دیوانگی کہنا چاہیئے۔ اور اب اگرچہ تقاضائے عمر کی وجہ سے یہ شوق اور نیز دیگر خطرناک جذبات بہت مدھم پڑ گئے ہیں لیکن کچھ عرصہ پہلے وہ ان باتوں کے بہت ہی دلدادہ تھے۔ اگرچہ ان کی طبیعت طامع ہے۔ مگر اس گھوڑے کے حاصل کرنے میں جو صرف کثیر بقدر تیئس ۲۳ ہزار اشرفی کے ہوا اور بیشمار جانیں تلف ہوئیں ان کا اُنہیں کچھ ملال و افسوس نہیں۔ اور نہ ہی اس ناجائز زبردستی کی بدنامی کا کچھ خیال

ان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ بیلی کے حاصل کرنے کے واسطے وہ ایسے درپے ہوئے کہ اُس حکمراں کا لڑکا جس کے قبضہ میں یہ گھوڑا تھا اور جس لڑکے کی عمر ۱۲ سال کی تھی اُن کے پاس حراست میں رہا۔ اگرچہ بہت دفعہ اُن کو اس بات کا یقین دلایا گیا کہ وہ گھوڑا اب زندہ نہیں ہے لیکن وہ ہمیشہ یہ ہی جواب دیتے تھے کہ جب تک وہ پیدا نہیں ہو تا تم قید رہو گے۔ اور اس ارادہ میں ایسے مستقل رہے کہ درحقیقت جب تک گھوڑا نہ ملا اس وقت تک اس لڑکے کو قید میں رکھا۔

رنجیت سنگھ سے زیادہ ملنے کے باعث مجھے تجربہ ہو گیا کہ وہ واقعی بے مثال شخص ہے اگر ان کی ذات میں بدگمانی اور مکاری تو ہے لیکن اپنے تابعین کو اپنا جان نثار اور مضبوط خیر خواہ بنانے میں قطعی کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسروں کا مافی الضمیر معلوم کرنے میں اُن کو کامل ملکہ حاصل ہے۔ لیکن اپنے راز دلی ایسا مخفی رکھتے ہیں کہ کسی پر اس کا اظہار ممکن نہیں اور زیادہ تر حیرت انگیز یہ امر ہے کہ جب وہ بوقت دربار اپنے مقاصد کی لغو رپورٹیں سُنتے ہیں تو چہرے پر بے اعتنائی اور سکوت کے آثار نمایاں پائے جاتے ہیں۔ اور جس وقت تک عملی کام کرنے کا موقعہ نہیں آجاتا اس وقت تک نہ تو اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو اس بات کا موقعہ دیتے ہیں کہ کوئی قیاس کے ذریعہ سے معلوم کر سکے۔

اگرچہ وہ سکھ ہونے کا اقرار و اظہار کرتے ہیں لیکن ان کا مذہب بے اصول و متزلزل ہے اور یہ کہنا کہ آیا اُن کا خیال اصلی ہے یا صرف اپنی رعایا کو خوش دل اور مطمئن کرنے کے واسطے ایک پردہ ہے۔ بہت مشکل ہے۔

بحیثیت ایک حکمراں ہونے کے وہ رحم دل اور نرم مزاج ہیں لیکن فریبی اور بے وفا بھی ہیں اگرچہ وہ مطلقاً ناخواندہ ہیں اور کچھ بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے لیکن وہ خاص اپنی قدرتی لیاقت اور بلا کسی کی امداد کے ایک کم حیثیتی کی حالت سے ایک طاقتور اور سرکش قوم کا خود مختار بادشاہ بن گئے ہیں۔ محض اپنی طاقتِ دلیرانہ اور ذاتی ہمت کے زور سے (اگرچہ اپنے آغازِ عروج میں بجائے ہر دل عزیز ہونے کے لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔) انہوں نے اپنے تخت کو بہ نسبت اور کسی مشرقی بادشاہ کے زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم کیا ہے۔ اور اگر گورنمنٹ برطانیہ کی یہ حاسدانہ نگرانی سدِ راہ نہ ہوتی تو یہ لازمی امر تھا کہ افغانستان نہیں تو سندھ کو تو ضرور اس سے بہت عرصہ پہلے وہ اپنی سلطنت میں شامل کر چکے ہوتے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ تشدد کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ ضرور کہا جائے گا کہ سوائے موقعہ جنگ کے انہوں نے کبھی کسی جان کو تلف نہیں کیا۔ اگرچہ اُن کی اپنی جان پر تو بہت دفعہ حملے ہوئے ہیں مگر اُن کا عہد حکومت بمقابلہ بہت سے مہذب بادشاہوں کے صریح ظلم اور بے رحمی سے عموماً مبرا دیکھا جاتا ہے۔

شام کے وقت ایک دستہ عورتوں کی فوج کا مع سازوسامانِ سرود اور آتشبازی کے ہمارے پاس آیا۔ اس فوج کی آراستگی کا سبب رنجیت سنگھ کی عیاشی اور فسق وفجور کی زندگی ہے۔ اب سے چند سال پہلے تک اس کا یہی حال تھا لیکن اب خرابئ صحت اور طبیبوں کی ممانعت سے اس قدر کمی ہوگئی ہے کہ ہر ایک عمل اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس حسین لشکر کی تعداد ایک سو پچاس تھی اور ان کے بھرتی حسن آباد پنجاب۔ کشمیر وایران کے ماہرویوں میں سے ہوتی تھی۔ ان کا لباس حد سے زیادہ پرتکلف ہے اور تیر وکمان کے ساتھ مسلح ہیں اور مہاراج کی تفریح کے لئے عموماً گھوڑوں پر سوار ہوکر شہسواروں کی طرح نکلتی ہیں۔ انہیں کچھ رقم یومیہ بطور گزارہ کے ملتی ہے اور اکثروں نے رنجیت سنگھ سے دیہات بھی بطور معافی کے حاصل کر لئے ہیں جن کی آمدنی وہ بطور خود وصول کرتی ہیں۔ اور اس طرح سے ایک معقول رقم پیدا کر لیتی ہیں۔ کنول نے مجھ سے بیان کیا کہ اُس کے خاص تصرف میں سات عمدہ گاؤں ہیں جو وقتاً فوقتاً رنجیت سنگھ نے اپنی اظہار خوشنودی کے صلہ میں دیئے ہیں۔ لیکن جن دنوں میں ہم لاہور میں تھے تو سکھ فوج کے اس خوبصورت زنانہ دستہ میں ایک قسم کی گھبراہٹ پھیل رہی تھی۔ کیونکہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ مہاراج کا ارادہ ہے کہ کمپنی کے دستور کے موافق عام معافیات جن کی بابت کوئی باضابطہ سند موجود نہ ہو ضبط کر لی جائیں۔ مگر یہ خبر بے بنیاد ثابت ہوئی۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ رنجیت سنگھ دوست محمد خاں اور اس کے افغانوں کا مقابلہ تو کر لے گا مگر اس زنانے باڈی گارڈ کے ایک سپاہی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اُن میں سے بعض جو آج شام کو ہمارے پاس آئیں اگرچہ ان کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں ہے مگر نہایت حسین ہیں اور مجھ کو پہلی ہی دفعہ ملک پنجاب میں ان کے ناچ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں کسی قدر عمدگی پائی جاتی تھی۔ کشمیر کی نوعمر حسینوں نے ایک ناچ اس طریق سے دکھایا کہ اپنے ہاتھوں میں چھڑیاں لے کر مصنوعی جنگ کی طرز پر ایک دوسری کی چھڑی پر بجاتی اور اُسی انداز پر اپنے پاؤں کی دل رُبا حرکت سے گت باندھتی تھیں جس سے گھڑیال کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔

رقصِ طوائف

یہ ناچ نہایت پُر لطف اور دل پسند تھا۔ ناچ ختم ہوتے ہی جمعدار نے ہم کو مہاراج کا یہ حکم سنایا کہ ان حسینوں میں سے جو جو ہمیں دل پسند ہوں اپنی خدمت میں رکھ لیں۔

۳۱ر مئی

فقیر عزیز الدین نے ہم سے آکر کہا کہ آج صبح کو لارڈ آکلنڈ کی چٹھی سننے کے لئے مہاراج مشن سے ملاقات فرمائیں گے۔ اس لئے بوقت نو بجے ہم محل کی جانب روانہ ہوئے جہاں ہم نے رنجیت سنگھ کو اسی طریق سے بیٹھے دیکھا جس طرح پہلے دیکھا تھا۔ چند منٹ کی مزاج پرسی کے بعد وہ اپنے خاص کمروں میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کو بھی وہاں بلا لیا۔ چاندی کی ایک بڑی کرسی پر دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ راجہ گوبند جس (جو مہاراج کی طرف سے لودھیانہ میں ہمارے ریذیڈنٹ کے پاس وکیل ہیں) اور فقیر صاحب اور سردار لہنا سنگھ فرش پر بیٹھے تھے۔

مسٹر میگناٹن نے گورنر جنرل کی چٹھی پڑھ کر سنائی اور یہ بھی اظہار کیا کہ مہاراج گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ شامل ہو کر شاہ شجاع الملک کو تخت کابل پر بٹھلانے میں مدد دیں۔ اور اس امر کو بھی واضح طور پر بیان کیا کہ اگر وہ چاہیں کہ بطور خود عمل کریں اور اپنی ہی افواج سے کام لیں تو گورنمنٹ کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ لیکن اگر وہ دوسرے طریقہ کو پسند کریں تو انگریزی فوج اُن کی فوج کے ساتھ شامل ہو کر جانے کے لئے تیار رہے گی۔ اس بات پر دھیان سنگھ نے ظاہرا طور پر اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ اور اگرچہ اس کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی رائے ظاہر کرے مگر اس بات سے باز نہ آیا کہ اپنے چہرے اور سر کو ناراضمندی کے طور پر ہلاتے رہنے سے ہمارے ساتھ اتحاد قائم کرنے پر ناخوش رہا۔ رنجیت سنگھ نے برخلاف اس کے اس تجویز سے اپنی دلی اور پرجوش خوشنودی ظاہر کی اور دو گھنٹے کی حاضری کے بعد ہم نے اُن سے اجازت حاصل کی۔ اس بات کا تو فیصلہ ہو ہی چکا تھا کہ جملہ چھوٹے امور بعد میں طے ہو جائیں گے چونکہ اب رکاوٹ کھل گئی ہے اور کامیابی کی امید نظر آتی ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا قیام اس جگہ کچھ زیادہ عرصہ تک نہ ہو گا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ رنجیت سنگھ بہت خود غرض ہیں اور یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی کوشش نہ کریں کہ اپنی امداد اور انگریزی فوج کو اپنے ملک میں سے گزرنے کے عوض میں ہم سے کچھ طلب نہ کریں ہاں اس طرح سے چاہے کچھ کام بن جائے کہ وہ نفرت جو ان کو دوست محمد کے ساتھ ہے اور اس بات کی خواہش ہے کہ اس کو اس کے ملک سے نکال دیا جائے۔ کچھ اثر کرے۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگرچہ وہ ظاہرا رضامند اور خوش دل معلوم ہوتے ہیں لیکن اخیری فیصلہ میں کچھ نہ کچھ

مشکل پیش کر دیں گے۔

جس وقت ہم رخصت ہو کر آئے۔ تو جملہ سرداران نے اس امر کی کوشش کی کہ مہاراج ہمارے ساتھ شامل ہونے اور ہمارے سے امداد لینے سے قطعی انحراف کر دیں۔ اور بجائے خود عمل کریں۔ اس کے جواب میں مہاراج نے کہا کہ چونکہ انہوں نے اس بات کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لئے زیادہ گفتگو اس کے متعلق نہ کریں گے۔ شام کے وقت ہم نے حسب معمول آتش بازی اور ناچ رنگ دیکھا۔

یکم جون[1]

مہاراج کے منشاء کے بموجب ہم اُن کے ہمراہ پریڈ کے میدان میں باقاعدہ پلٹن کو دیکھنے

ا - مہاراج کے باقاعدہ فوج کی ترتیب کا سبب ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ جب مسٹر مٹکاف گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے سفارت پر رنجیت سنگھ کی خدمت میں آئے تو بمقام امرتسر محرم جو مسلمانوں کے لئے غم کا مہینہ ہے پیش آگیا۔ چنانچہ فوج اور ہمراہیوں میں جو مسلمان سفیر تھے انہوں نے اس کی تیاری کا سامان کیا۔ مگر چونکہ امرتسر سکھوں کے لئے ایک متبرک جگہ ہے اس لئے ان کو اور خاص کر متعصب اکالیوں کو یہ عمل نہ صرف ناگوار بلکہ باعث ہتک معلوم ہوا اس لئے جس وقت تعزیئے نکل رہے تھے اور ماتم برپا تھا تو پھولا سنگھ نے مع اپنے متعصب اکالیوں کے اُن پر بندوقوں سے گولیاں مارنی شروع کیں۔ اس پر سفیر کی فوج کے مسلمان جو تعداد میں بہت کم تھے اس کی برداشت نہ کر کے حلقہ ماتم سے علیحدہ ہو کر اور اپنی بندوقیں لے کر لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد اپنے دشمنوں کو شکست دیکر پھر حلقہ ماتم میں اس طرح بے تکلف آشامل ہوئے کہ گویا کوئی بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی تھی۔ رنجیت سنگھ نے جو کہ خود اس واقعہ اور اپنے اکالیوں کی شکست کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ سفیر کو ان کے تھوڑے سے سپاہیوں کی بہادری پر شاباش اور تہنیت دی۔ انہوں نے اس چھوٹے سے واقعہ پر ہی اندازہ کر لیا اور اُن کو یقین ہو گیا کہ ان کی بے قاعدہ سپاہ ایسی تربیت یافتہ فوج کی تاب مقابلہ نہیں لا سکتی اس لئے انہوں نے سردست اپنے مغرور ہمسایوں سے لڑائی کا خیال قطعی اپنے دماغ سے نکال دیا۔

باقاعدہ فوج کے فوائد کو جب انہوں نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا تو ان کے اپنے دل میں بھی ایسی ہی فوج کے بنانے کا ولولہ پیدا ہوا اور یہ بات مشہور ہے کہ جب تک انہوں نے ایک جری فوج باقاعدہ طور پر ترتیب نہ دے لی اس وقت تک اُن کو اطمینان قلب نہ ہوا۔ اس بات سے مہاراج کی اولوالعزمی اور فہمیدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قبضہ میں ایک ایسی با اقتدار فوج تھی جو کہ کسی دیسی طاقت کو اس سے پہلے نصیب نہ ہوئی تھی۔ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ہندوستان کی ملکیت کے متعلق بزور شمشیر فیصلہ کرنے کا ارادہ صرف اسی فوج کے بھروسہ پر تھا۔ (از مترجم)

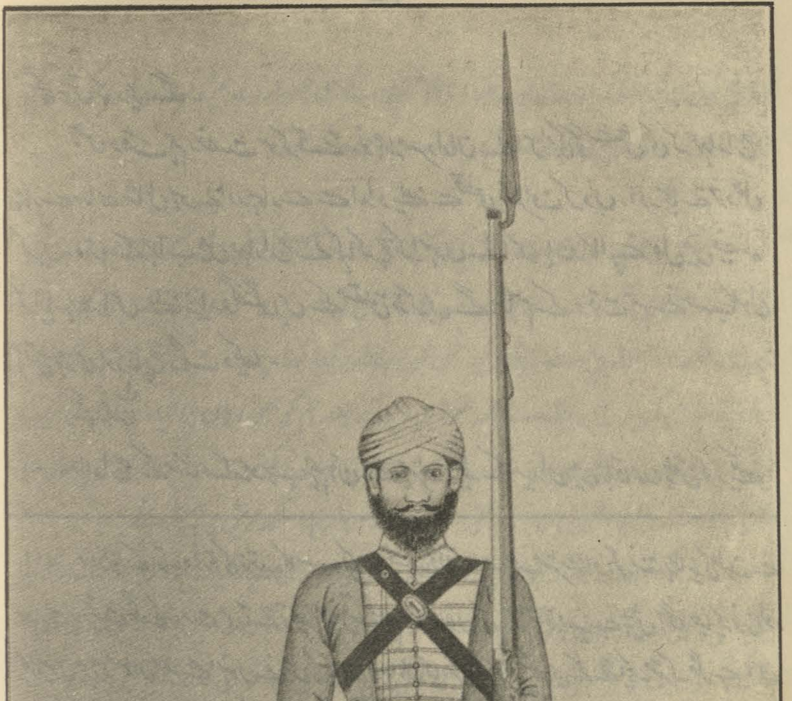

سکھ سپاہی

کی غرض سے گئے ۔ دو ہزار سپاہی مسلح اور کچھ توپخانہ وہاں پر موجود تھا ۔ یہ آدمی مضبوط اور خوش شکل ہیں اور ان کا لباس سفید پاجامہ اور کوٹ ہیں ۔ جس کے اوپر سیاہ پیٹی ہے ۔ اور سر کے اوپر زرد پگڑی باندھی ہوئی ہے ۔ ہمارے سپاہیوں کی طرح قواعد اور تربیت کو رضامندی سے سیکھتے ہیں ۔ لیکن ٹوپی یا شاکو پہننے سے تعصب کرتے ہیں اور بھرتی ہونے سے پہلے اس بات کا معاہدہ کر لیتے ہیں کہ اُن کو اس کے پہننے اور بال مُنڈانے پر مجبور نہ کیا جاوے گا ۔

تین درجہ ہیں جن میں یہ کام کرتے ہیں اور فرانسیسی طرز کے مطابق ڈھول بجانے پر ہر ایک کام ہوتا ہے ۔ اتنے بہت باقاعدہ تو نہیں ۔ لیکن پریڈ پر بہت مستعد ہیں ۔ اور آج تک میں نے جس قدر فوجیں دیکھی ہیں اُن سب سے زیادہ صحت اور باقاعدگی کے ساتھ شلاک اُڑاتے اور نشانہ لگاتے ہیں ۔ تنخواہ ان کی اُسی قدر بتلائی جاتی ہے جو کمپنی کے سپاہیوں کی ہے ۔ ورنہ کم از کم وعدہ تو یہ ہے کہ اسی قدر ملے گا ۔ لیکن ایک سال کی تنخواہ تو عموماً اور دس مہینہ کی تنخواہ ہمیشہ بقایا میں رہتی ہے ۔ جب فاقہ کشی تک نوبت پہنچتی ہے اور وہ سرکشی پر آمادہ ہوتے ہیں اور رنجیت سنگھ کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اب اس سے زیادہ وہ متحمل نہ ہوں گے تو نصف یا ایک تہائی دے کر فریب اور زبردستی سے اُن کو اس بات پر رضامند کر لیتا ہے کہ باقی کی بابت کچھ دعویٰ نہ رکھیں ۔ کمپنی کے سپاہیوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ قوی ہیں ۔ اور دیگر قوموں نسبت ان میں تعصب یا پرہیز کم ہے ۔ اور آسانی سے پابند انتظام رہتے ہیں ۔ اور اگرچہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سکھ قوم عموماً دلاوری میں کچھ کم حصہ رکھتی ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رنجیت سنگھ کی فوج اکثر بہادری سے لڑتی رہی ہے ۔ قد میں طویل اور کسی قدر دُبلے ہیں مگر وجیہہ آدمی ہیں ۔ جن کے بڑے ڈیل ڈول اور سینہ کشادہ اور وسیع ہوتا ہے اور پیدل بہت اچھی طرح سے چل سکتے ہیں ۔ بخیال جلدی چلنے کے اور نیز فاصلہ کے ۔ اور بڑے بڑے لمبے کوچ نہ صرف ضرورت کے وقت بلکہ کئی کئی دنوں تک برابر خوش دلی اور مستعدی سے کرنے کے قابل ہیں ۔ اور ہندوستان کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت جفاکش اور مضبوط ہیں اور زندہ دل اور بشاش لوگ معلوم ہوتے ہیں ۔ اگرچہ پریڈ کے میدان پر اُن کی جملہ حرکات استقلال سے ہوئیں مگر بہت آہستگی سے اور ہر ایک کام کے لئے ان کا ایک ہی قدم ہے اور ڈبل قدم سے وہ بالکل واقف نہیں ۔

سکھ فوج کو ہماری فوج پر یہ فوقیت زیادہ ہے کہ وہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ کوچ کے وقت کوئی گاڑی ہمراہ نہیں ہوئی۔ اور دکاندار جو ساتھ ہوتے ہیں وہ اُن کی تمام ضروریات کو مہیا کر دیتے ہیں اور ان کی تیس ہزار فوج زیادہ آسانی اور کم خرچ کے ساتھ بغیر وقت ضائع کرنے کے نقل و حرکت کر سکتی ہے بہ نسبت کمپنی کی صرف تین رجمنٹ کے۔

چونکہ رنجیت سنگھ صبح کی ہوا خوری کے عادی ہیں اس لئے قواعد کے اختتام پر میں اُن کے ہمراہ کچھ فاصلہ تک گیا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا میں نے کبھی برہما کی فوج بھی دیکھی ہے اور میرے انکار پر انہوں نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ وہ اچھا لڑتے ہیں۔ اور تمہارے سپاہیوں پر غالب ہوتے ہیں۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ وہ اپنے مورچے کے پیچھے اچھا لڑتے ہیں۔ لیکن کھلے میدان میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں گورکھا میرے خیال میں ان سے زیادہ بہادر اور اچھے سپاہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بالکل سچ ہے واقعی وہ قابل تعریف ہیں۔ میرے پاس بھی لاہور میں اُن کی ایک رجمنٹ ہے جس کو میں تمہیں دکھلاؤں گا۔ تمہارے پاس ایک ملک میں کل کس قدر فوج ہے۔ میں نے کہا قریباً دو لاکھ کے۔ اس پر فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایسا ہی سُنا ہے۔ لیکن اس قدر تعداد کو تم ایک جگہ جلدی سے جمع نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں اور اس کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ اول تو بیس ہزار ورنہ تیس ہزار انگریزی فوج ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جا سکتی ہے اور کسی دیسی طاقت کی یہ مجال نہیں کہ ان کو روک سکے۔ تم بہادر آدمی ہو مگر یہ تو بتلاؤ کہ ایک انگریز کتنے فرانسیسیوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ولایت میں لڑکوں کو مدرسہ میں تبلایا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک تین فرانسیسیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ فرمایا روسیوں کا؟ میں نے کہا فرانسیسی روسیوں کو شکست دیتے ہیں اور ہم فرانسیسیوں کو۔ اگر روسی دریائے انڈس سے عبور کر آئیں تو تم ان کے مقابلہ کے واسطے کس قدر فوج فراہم کر سکتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اس قدر فوج جس قدر اُن کو پسپا کرنے کے لئے کافی ہو۔ اور جبکہ حضور بھی ہمارے مددگار ہوں۔ واہ واہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ میں نے ان سے چند امور گورکھا پلٹنوں کی بابت دریافت کئے یعنی ان کو بھرتی کرنے کی بابت کیونکہ بہ سبب نیپولین کے حسد کے ہم کو اس بات کی بڑی دقت پیش رہتی ہے کہ اپنی دو پلٹنوں کی تعداد کو قائم رکھیں۔ انہوں

مہاراجہ رنجیت سنگھ

نے فرمایا کہ اسی طرح کی مشکل ان کو بھی ہے ۔ لیکن اور فوج کی نسبت ان کو زیادہ تنخواہ دے کر وہ اپنی پلٹنوں کو بہت اچھی حالت میں رکھتے ہیں۔ بعد میں جو مجھے صحیح خبر معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ بیس میں ایک آدمی سے زیادہ اصل گورکھا نہیں ہے ۔ اور وہ عموماً کشمیر سے آتے ہیں اور چونکہ وہ قلیل قامت اور چست ہوتے ہیں اس لئے پہاڑ کی لڑائی کے واسطے بہت موزوں ہوتے ہیں۔

جب ملاقات ختم ہوئی تو رنجیت سنگھ نے مجھے فرمایا کہ اگلے دن اُن کے توپخانہ کی چاندماری آکر دیکھوں ۔ چنانچہ میں نے آنے کا وعدہ کیا ۔ اور میں سلام کر کے گھوڑے کو دوڑا کر اپنے خیمہ میں آیا۔ اور حاضری کھائی ۔ تحریر کی غرض سے اُن کے سوالات کی تعداد صحت کے ساتھ یاد رکھنا قطعی ناممکن ہے لیکن جس قدر مجھے یاد ہے وہ میں نے اُن ہی کے الفاظ میں لکھے ہیں ۔

۲ر جون

جبکہ میں صبح ہوا خوری کر رہا تھا تو مجھے شیر سنگھ ملا ۔ اُن کے ہمراہ قریباً دو سو سوار تھے اور وہ ایک جنگل کو جو ادینا نگر سے دس میل کے فاصلہ پر تھا ۔ ایک شیر کی تلاش میں جو اس جگہ گرد و نواح میں بربادی کر رہا تھا جا رہے تھے ۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو شام کو مجھے اطلاع دیں گے اور صبح کو میرا انتظار کریں گے تاکہ اگر میں چاہوں تو ان کے ساتھ شامل ہو کر شکار کروں ۔ شام کو حسب معمول ارباب نشاط اور آتشبازی کا تماشہ ہم نے دیکھا۔

۳ر جون

مہاراج کے ہمراہ توپخانہ کی چاندماری دیکھنے کی غرض سے گئے ۔ اس جگہ ہم نے دیکھا کہ بارہ توپیں مختلف ناپ کی موجود ہیں ۔ ان کا ساز و سامان مع گھوڑوں کے اچھا ہے ۔ یہ توپیں مہاراج کے توپخانہ میں ردی ہیں اور صرف سفر کے وقت مہاراج کی اردل میں رہتی ہیں ۔ اُن کا بڑا بھاری گودام لاہور میں ہے ۔ اور سنا جاتا ہے کہ بہت عمدہ ہے ۔ اور بلاشبہ ان کے بہترین آلاتِ حرب میں سے ہے اور اس کا ان کو شوق بھی حد سے زیادہ ہے ۔ اس وقت وہ اپنے کارخانہ کے گولوں کی آزمائش کر رہے تھے ۔ پانچسو گز کے فاصلہ پر چاندماری معمولی جیسی تھی ۔ لیکن آٹھ سو گز اور بارہ سو گز کے فاصلہ پر بہت قابل تعریف دیکھی گئی ۔ کئی گولے عین پردے کے اوپر جا کر پھٹے اور جس وقت ایک گولہ اوروں سے زیادہ صحت کے ساتھ پھٹا تو انہوں نے لوٹ کر فرمایا ۔ " مجھے یقین ہے کہ دوست محمد خاں کے واسطے یہ گولہ کافی ہوگا " ۔ چاندماری کے اختتام پر ہم ان کے ہمراہ گھوڑوں پر کچھ دور تک گئے ۔ اور جس وقت آفتاب کی تیزی زیادہ ہو گئی ۔ اپنے خیموں کی طرف واپس آ گئے ۔ مگر اس میں صبح کے

کھانے کو دیر ہو گئی۔

شیر سنگھ شام کے وقت واپس آ گئے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ شیر کی خبر غلط نکلی۔ مگر وہ تمام دن تیتر اور ہرنوں کا شکار کھیلتے رہے۔ اور اس وقت دھوپ اور گرمی کی وجہ سے نیم جاں ہو رہے ہیں۔

فقیر عزیز الدین آج شام کو ڈاکٹر ڈرمین سے ملنے کے لئے آئے۔ اُن کے پاس مہاراج کی صحت کی تحریری کیفیت تھی۔ اور مہاراج نے ان کو ہدایت کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب سے اس کے متعلق مشورہ کریں۔ اور دوائی حاصل کریں۔ جب مہاراج کسی طبیب سے ملتے ہیں تو ضرور ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ اور ہر دفعہ ان کے معالجہ سے غفلت اور بے پرواہی کرتے ہیں۔ دوائی ہمیشہ پہلے کسی سردار کو کھلائی جاتی ہے۔ اور اپنے سامنے مجبوراً اس کے حلق کے نیچے اتار دیتے ہیں۔ اور پھر اُس کو کسی مکان میں بند کر دیتے ہیں۔ تاکہ اس دوائی کا پورا اثر معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ایسی ہی حالت اس موقع پر ہوئی۔ اور ہم نے اگلی صبح کو سُنا کہ جس وقت ایک خفیف سی ملیّن دوائی جو ڈاکٹر ورمن نے ان کی درخواست کے بموجب تجویز کی تھی پہنچی۔ تو انہوں نے اپنے ایک مُنہ لگ مقرب کو بُلا کر حکم دیا کہ اس کو فوراً کھا لے۔ اس کے بعد اس بیچارہ کو گھر بھیج دیا اور یہ حکم دیا کہ جتنی جلدی ہو اگلی صبح کو اپنی صحت کی پوری کیفیت کی اطلاع دے۔

۴ر جون

آج ۶ بجے صبح کے وقت کپتان میر یکر یز اور مجھ کو مہاراج نے اس واسطے طلب فرمایا کہ ہم اُن کے ہمراہ صبح کی ہوا خوری کے لئے جاویں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ ہم کپڑے پہنیں اور ہمارے گھوڑوں پر زینیں آراستہ ہوں وہ پانچ میل نکل گئے تھے۔ لیکن بہت سخت پویہ کرنے کے بعد ہم ان کو جا ملے۔ اور دیکھا کہ وہ اپنے ہوادار میں جا رہے ہیں۔ اس سے کسی خاص جگہ جانے کا مقصد تو نہیں تھا مگر صرف اس خیال سے کہ صبح کے کھانے کے واسطے اشتہا پیدا ہو جاوے۔ قریباً ڈیڑھ سو گھوڑ چڑھوں کا گارڈ اور ایک گھوڑوں کا توپخانہ اُن کی اردلی میں تھا۔ اور حسب معمول نوعمر ہیرا سنگھ اُن کے ہمراہ ہوادار میں تھا۔ اور راجگان سچیت سنگھ و اجیت سنگھ گھوڑوں پر تھے۔ ہر صبح کو طلوع آفتاب کے وقت یہ سامان اُن کے خیمہ کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ نیز چند نہایت پسندیدہ گھوڑے۔ ساز و سامان سے آراستہ اور ہوادار اور ان کی سواری کا ہاتھی بھی حاضر ہوتے ہیں۔ دو فالتو ہاتھی اور اُن کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ ایک پر تو چھوٹا سا پشمینہ کا سائبان لدا ہوا ہوتا ہے۔ اور دوسرے پر باورچی خانے

کا سامان ۔ طلوع آفتاب کے تھوڑی دیر بعد وہ اپنے خیمے سے برآمد ہو کر یا تو ہوادار میں یا گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں ۔ اور جس طرف دل چاہتا ہے برائے تفریح نکل جاتے ہیں اور عموماً چار گھنٹے تک باہر رہتے ہیں ۔ اس کے بعد اپنے محل کو واپس آکر بارہ بجے تک دربار کرتے ہیں اور پھر شام تک زنان خانے میں رہتے ہیں ۔ اس وقت صبح کو ہم چند میل تک ان کے ہمراہ گئے ۔ اور باہم گفتگو اور غپ زنی کرتے رہے ۔ مگر ہم اُن کے مختلف مضامین کے اشتیاق کو مطمئن نہ کر سکے ۔

کیا آپ گھوڑے کی سواری کے شوقین ہیں ؟

جی ہاں ۔

کیا آپ شکار کھیلنے کو پسند کرتے ہیں ؟

بہت ۔

کیا آپ ان دنوں میں کہیں گئے ہیں ؟

ہاں، دو ماہ کے قریب ہوا جب گیا تھا ۔

کس جگہ ؟

ترائی میں اور ڈیرہ دون کی طرف ۔

آپ نے کس چیز کا شکار کیا ؟

گیارہ شیر مارے ۔

کیا آپ کی شادی ہو گئی ہے ؟

نہیں ۔

تو پھر آپ کیوں نہیں کرتے ؟

میری اتنی استطاعت نہیں ہے ۔

آپ کس قسم کے گھوڑے پر سوار ہیں ؟

یہ عرب ہے ۔

آپ نے اس کو کہاں سے لیا ہے ؟

کسی نے مجھ کو دیا ہے ۔

آپ کتنے دن تک شکار کھیلتے رہے ؟

چودہ دن تک ۔

کیا آپ نے میری شراب کو پسند کیا ہے ؟

جی ہاں، مگر بہت تیز ہے ۔

کیا آپ نے کھانا کھا لیا ہے ؟

ابھی تک کھایا نہیں ۔

تو ہم اسی جگہ کھانا کھائیں گے ۔

درختوں کے چھوٹے سے جھنڈ میں فوراً ایک خوبصورت پشمینہ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ اور ایک چاندی کی چوبوں کا سائبان بھی لگایا گیا۔ اور ایک پشمینے کی قیمتی قالین بچھائی گئی۔ اور پانچ منٹ کے عرصہ سے کم میں سب سامان تیار ہو گیا۔ اور ہم طلائی کرسیوں پر رنجیت سنگھ کے مقابلے میں بیٹھ گئے۔ اور وہ اپنے ہوادار میں جس کو آدمی اپنے کندھوں پہ لئے کھڑے تھے بیٹھے رہے۔ اور پانچ منٹ کے بعد کھانا تیار ہو گیا۔ رنجیت سنگھ نے میز کا کام ایک آدمی سے لیا جو پشت اُن کی طرف کر کے جھک گیا اور اس کی پیٹھ کی سطح ان کے فرش کے ہموار ہو گئی ۔

ایک تھال جس میں مختلف قسم کے قلیئے۔ چاول۔ مٹھائی اور دودھ تھا۔ اُس آدمی کے کندھوں پر رکھ دیا گیا۔ اور مہاراج نے کھانا بہت اچھی رغبت سے تناول کرنا شروع کیا۔ مختلف قسم کی خوردنی اشیاء نہایت نفیس اور ٹھنڈے برتنوں میں جو ایک چاء کی پیالی کے مقدار کے تھے لگائے گئے۔ یہ برتن تازہ اور سبز پتوں کے بنائے گئے تھے۔ اور اس طرح سے آپس میں پیوند شدہ تھے کہ اُن میں رقیق اشیاء بھی ٹھہر سکیں۔ اور بڑی عمدگی سے ٹھنڈے اور صاف معلوم ہوتے تھے ۔

ایک ایک خوان میکر یگر اور میرے واسطے مہیا کیا گیا۔ جن میں قریباً اس قسم کی چھ چھ پیالیاں تھیں۔ اور اُن میں مختلف قسم کا قلیہ اور چاول اور دہی اور کچھ نہایت ہی فربہ بٹیر جن کی ہڈیاں نکال کر عمدگی سے مصالحہ وغیرہ سے تیار کئے گئے تھے لگے ہوئے تھے۔ اپنے میزبان کی تقلید میں ہم نے ہاتھوں سے کھانا شروع کیا۔ اگرچہ ہم کو اس طرح کھانے کی عادت نہیں تھی۔ تاہم پیٹ بھر کر ہم نے کھا لیا۔ اور بعد میں ایک لذیذ برف کے شربت کا پیالہ پی کر ختم کیا۔

اس کے بعد ہم رنجیت سنگھ کے ساتھ اُن کے محل کو واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اس منشاء کا اظہار کیا کہ میں اپنی بندوق منگواؤں۔ جس وقت بندوق آ پہنچی تو ایک لوٹے کو ایک بانس پر ساٹھ گز کے فاصلہ پر باغ کی روش پر نصب کر کے فرمایا:

اس پر نشانہ مارو ۔

میں نے عجز سے کہا کہ چونکہ باغ میں لوگ کثرت سے پھر رہے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ کسی اور کے لگے۔

انہوں نے جواب دیا کہ کچھ پروا نہیں۔ وہ فوراً راستہ سے علیحدہ ہوجاویں گے۔

میں نے تھوڑی دیر انتظار کی۔ اور جب دیکھا کہ روش کسی قدر خالی ہے تو خوش قسمتی سے تین دفعہ متواتر لوٹے پر نشانہ مارا۔ اس کے بعد میں نے دور اندیشی سے خیال کیا کہ اب چھوڑ دینا مناسب ہے۔ اور اپنی بندوق راجہ دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ کو دے دی۔ انہوں نے ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اور یہ میری نیک نامی کا باعث ہوا۔ اور میری بے حد تعریف کی گئی۔

اس کے بعد ہم رنجیت سنگھ کے ہمراہ برانڈہ میں جا بیٹھے اور ایک گھنٹے کے قریب اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا:

کہ آیا میں لارڈ کومبرمیر کے ہمراہ ۱۸۲۶ء میں بھرت پور گیا تھا۔

اس کے جواب میں میں نے کہا کہ میں واقعی اُن کے ساتھ تھا۔

اس پر انہوں نے فوراً میرے پر محاصرہ کے متعلق سوالات کی بھرمار شروع کر دی۔ اور دریافت کیا کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ انگریزی فوج ایک دفعہ پسپا ہونے کے بعد دوبارہ اُسی رخنہ پر حملہ کرتی ہے؟ اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اگر اُن کو اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر بھی چلنا پڑے تو بھی وہ تامل نہیں کرتے؟

میں نے اُن کو جواب دیا کہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ اور اس قسم کی مثالیں کئی موقعوں پر قائم ہوئی ہیں۔

اس پر انہوں نے کہا کہ افسوس میرے سکھ ایسا نہیں کرتے۔

انہوں نے اپنے اور محاصرہ بھرت پور کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا۔ جو میں نے پہلے بھی سُنا تھا۔ لیکن مجھے اُس کا یقین نہیں تھا۔ اگرچہ کپتان ویڈ نے میرے دریافت کرنے پر اُس کی راستی کی صداقت کی۔ جب لارڈ کومبرمیر کے زیر کمان فوج بھرت پور کے محاصرہ کے لئے روانہ ہوئی تو رنجیت سنگھ کے پاس پچاس ہزار سے زیادہ مسلح آدمی تیار موجود تھے۔ اور کشمیر پر دھاوا کرنے کا ارادہ ہو رہا تھا۔ مگر گورنمنٹ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ مبادا مہاراج ہم کو کسی اور جگہ مصروف دیکھ کر

تعلق دوستانہ کو بالائے طاق رکھ کر ورجن سول کو جو کہ اُس وقت بھرت پور میں حکمراں تھا۔ اپنی امداد دیں۔ مہاراج نے کہا کہ اس موقع پر راجہ نے اُن کے پاس پیغام بھیجا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ اگر میں بیس ہزار آدمی ان کی امداد کے لئے لے جاؤں تو وہ ہر ایک کوچ پر ایک لاکھ روپیہ نقد یومیہ دیں گے۔ اور علاوہ ازیں جتنے عرصہ میں اس کے ساتھ رہوں اُس کے واسطے پچاس ہزار روپیہ یومیہ۔ رنجیت سنگھ نے مجھ سے دریافت کیا کہ اگر میں راجہ کی درخواست منظور کر لیتا تو تم کیا کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ ہماری فوج جو قلعہ کا محاصرہ کر رہی تھی اس میں سے پانچ ہزار علیحدہ کر کے اُن سے آپ کے بیس ہزار سکھوں کو ستلج کے پار بھگا دیتے۔ مہاراج نے اس پر میری طرف دیکھا۔ اور کہا "آپ کو واقعی اس بات کا یقین ہے کہ وہ ایسا کر سکتے؟" بیشک۔ اور شاید یہ آپ اور آپ کے ملک کے واسطے بہتر ہوا کہ اس کے تجربے کی نوبت نہ پہنچی مجھے یقین ہے کہ یہ ہمارے لئے بہتر ہوا۔ لیکن اس وقت میری جملہ قوم اس بات کی نہایت شائق ہے کہ میں راجہ کا معاون بن جاؤں۔

۵ر جون

آج صبح مہاراج ہمارے کیمپ میں کمپنی کے توپخانے کی چاند ماری دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ اور اُس کے بعد میں بسواری اسپ ان کے ہمراہ کچھ فاصلے تک گیا۔ میں نے موقع پاکر اظہار کیا کہ مجھے لاہور اور امرت سر دیکھنے کی بہت آرزو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں دیکھ لوں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ابھی آپ نہ جائیے۔ میں خود چند دن میں وہاں جاتا ہوں۔ اُس وقت وہاں بہت بڑا تماشہ ہوگا۔

ہمارے کیمپ میں علامات ہیضہ نمودار ہونی شروع ہوئیں۔ اور گرمی بہت شدت کی ہوگئی۔ تھرمامیٹروں کے وقت سو درجے پر اور رات کو ۹۰ درجے تک پہنچ جاتا تھا۔ ادینا نگر میں ہماری ناک میں جان آگئی۔ اور ہم نے مشورہ کیا کہ رنجیت سنگھ کو فوراً کسی نہ کسی طرح لاہور جانے پر آمادہ کریں۔ اس لئے ہم نے فقیر عزیز الدین کو اس کام کے لئے ان کے پیچھے لگایا۔ چنانچہ شام کو ہمیں یہ خبر سُن کر نہایت اطمینان ہوا کہ جس وقت انہوں نے مہاراج سے ہماری خواہش کا تذکرہ کیا تو انہوں نے گرنتھ صاحب سے جو سکھوں کی مقدس کتاب ہے فال نکالی۔ اور یہ فال ہمارے مفید مطلب نکلی۔ اس لئے ہم کو چار دن کے اندر لاہور جانے کی تیاری کر کے روانگی کی اُمید رکھنا چاہیئے۔ رنجیت سنگھ کوئی بڑی مہم بغیر اس مقدس کتاب کے دیکھنے کے اختیار نہیں کرتے جب ان کو کسی امر کی

کامیابی کی بابت شبہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس کو کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ اپنے شکوک کو رفع کرنے کے لیئے بڑا آسان طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ دو کاغذ کے پرچے جن میں سے ایک پر تو اپنے مدعا کا اظہار ہوتا ہے دوسرے پر اس کے برخلاف لیکن ان دونوں پرچوں کو گرنتھ صاحب میں رکھ دیتے ہیں۔ اور کوئی گرو یا پروہت بغیر دیکھنے کے اُس میں سے نکالتا ہے۔ اگر پہلا پرچہ جو ان کو دیا جائے اس بات کا مؤید ہو کہ جس مہم کا انہوں نے ارادہ کیا ہو اُس کے لئے نیک شگون بتلائے تو وہ کامیابی کی بڑی امید کے ساتھ اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے برخلاف ہو تو ارادہ فوراً اور قطعی فسخ کیا جاتا ہے۔

روزانہ اطلاع مسٹر میگناٹن کو بھیجی جاتی ہے۔ اور چونکہ بہت سے امور کی منظوری شملہ سے منگانی پڑتی ہے۔ اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی اور لاہور کو دیکھنے کی اُمید زیادہ اطمینان بخش ہے۔

۶ر جون

پنجاب میں ایک بڑے مشہور شخص کی آمد کے سبب سے ہمارے کیمپ کی یکرنگ زندگی میں تغیر پیدا ہو گیا۔ یہ ایسا شخص تھا جس کے دیکھنے کی آرزو سب کے دل میں تھی۔ اور جس کو مہاراج نے اسی غرض سے امرتسر سے بولایا ہے۔ نام سے تو فقیر کہتے ہیں مگر سکھ اس کی اس سبب سے بے حد عظمت کرتے ہیں کہ اُس میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت زمانے تک زندہ دفن کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق اتنی حکایات رائج تھیں اور بہت سے معزز لوگ ان حکایات کی صداقت کی حامی بھرتے تھے کہ ہم سب کو اس کے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ یہ شخص اس بات کا اقبال کرتا ہے کہ بہت عرصے سے وہ اس فن کی مہارت رکھتا ہے اور کچھ زمانہ گزرا ہے کہ اخبارات کلکتہ نے ان لوگوں کی چٹھیات کو جنہوں نے اس آدمی کو شمالی ہندوستان میں دیکھا تھا اور جن میں اس کی غیر معمولی طاقت کے حالات بیان کئے گئے تھے شائع کیا تھا۔ مگر قدرتی طور پر اس وقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ اہلِ کلکتہ کے ساتھ یہ عملی مذاق کیا گیا ہے۔ کپتان ویڈ نے جو لودھیانہ میں پولیٹیکل ایجنٹ ہیں مجھ سے بیان کیا کہ وہ خود اس وقت موجود تھے۔ جس وقت یہ شخص چند ماہ مدفون رہنے کے بعد نکالا گیا ہے۔ اور جنرل ونتورا نے مہاراج اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی موجودگی میں اس کو دفن کیا تھا۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے جنرل ونتورا نے جو حالات مشاہدہ کئے تھے اس کی مفصل کیفیت ہے۔ چند دن تک یہ شخص متواتر اس قسم کی

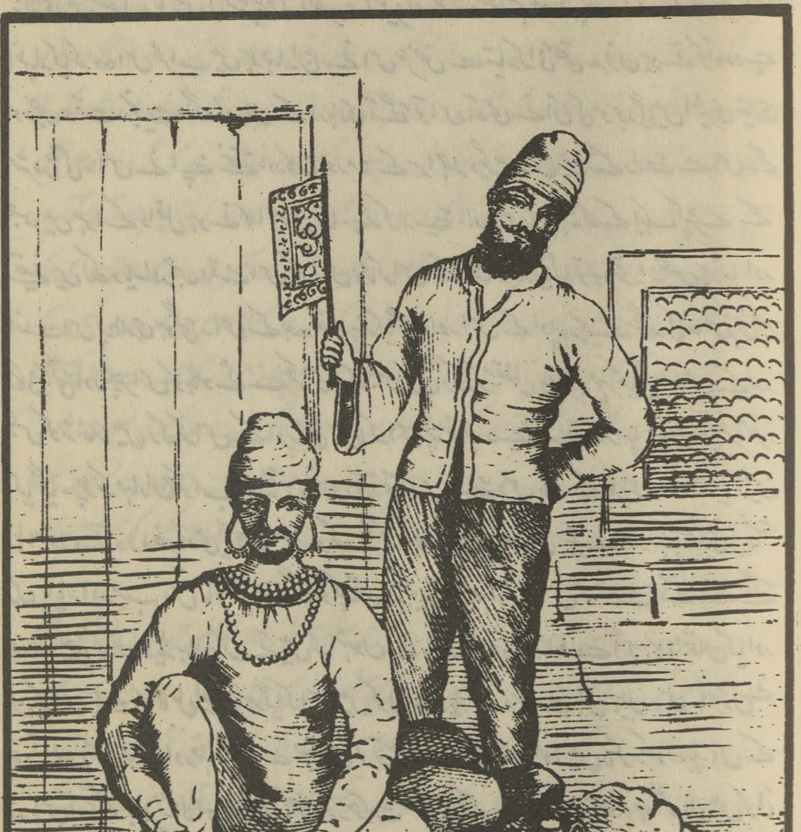

دفن ہونے والا فقیر

تیاری میں مشغول رہا جس کی تشریح کرنا نفرت انگیز اور مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد فقیر نے اظہار کیا کہ وہ اس محراب میں جو مہاراج نے اس غرض سے تیار کرائی تھی مدفون ہونے کو آمادہ ہے اور جس وقت رنجیت سنگھ اور ان کے درباری آ گئے تو اس آدمی نے اُن کی موجودگی میں اخیری تیاری شروع کی۔ اس نے اپنے نتھنے اور کان اور منہ کے سوا جملہ دیگر سوراخ جن کے راستے سے اس کے جسم میں ہوا کے داخل ہونے کا احتمال تھا۔ بند کر دیئے۔ اور اس کو برہنہ کر کے ایک کپڑے کے تھیلے میں رکھ دیا۔ اور جس وقت اس کی زبان لوٹا کر اس کے حلق کو بند کیا گیا تو وہ فوراً بیحس ہو گیا۔ اور غفلت اس پر طاری ہو گئی۔ اس کے بعد تھیلا بند کیا گیا۔ اور اس کے اوپر رنجیت سنگھ کی خاص اپنی مہر لگائی گئی اور پھر اس کو چھوٹے سے لکڑی کے بکس میں رکھ کر مقفل و سربمہر کیا گیا۔ اس کے بعد بکس کو تہ خانہ میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی پھیلا کر اس پر جَو بو دیئے گئے اور سپاہیوں کا پہرہ مقرر کیا گیا۔ چونکہ مہاراج کو اب بھی یقین نہیں آتا تھا اس لیئے دس ماہ کے مابین جو وہ زیر زمین رہا انہوں نے دو دفعہ آدمی بھیج کر اس کو کھدوا کر دیکھا مگر اس کو اسی حیثیت اور بے خودی کی حالت میں پایا۔ اور جب دس ماہ ختم ہو گئے تو کپتان ویڈ بھمراہی مہاراج اس کو نکالنے کے لئے گئے اور وہ یعنی کپتان ویڈ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بذات خود احتیاط سے اُس کا امتحان کیا اور ان کو اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ اس میں کوئی جان یا حس وحرکت باقی نہیں رہی۔ انہوں نے خود قفلوں کو کھلوایا۔ اور مہاراج نے مہروں کو توڑا اور بکس کو کھلی ہوا میں لا کر رکھوا دیا۔ اس کے بعد اس آدمی کو باہر نکالا اور اُس کی نبض اور حرکت قلب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی بھی حرکت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ پہلا عمل جو اس کو زندہ کرنے کے لیئے کیا گیا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی اُس کی زبان کو زور سے کھینچ کر اپنی اصلی جگہ پر لے آیا۔ اگرچہ اس عمل میں کسی قدر دقت پیش آئی اور جب تک زبان اپنی اصلی جگہ پر نہ آئی اس کو پکڑے رکھا۔ کپتان ویڈ نے بیان کیا کہ اس کے سر کی چوٹی بہت گرم تھی۔ مگر اور باقی جسم سرد اور تندرست صحت کی حالت میں معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا عمل یہ تھا کہ اس کے جسم پر گرم پانی ڈالا گیا۔ اور دو گھنٹے کے بعد وہ ایسا ہو گیا جیسا کہ پہلے ہوا کرتا تھا۔

ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی عمر تیس سال کے قریب ہے۔ اور چہرہ نفرت انگیز اور مکار معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس سے بہت گفتگو کرتے رہے۔ اس نے کہا کہ آپ کو اس بات کا یقین دلانے کے لیئے کہ میں دغابانہ نہیں ہوں جتنے عرصے تک آپ چاہیں میں دفن رہنے کے لئے

حاضر ہوں۔ ہم نے اس کی اس بات کو منظور کر لیا۔ اور یہ بات طے ہو گئی ہے کہ جس وقت ہم لاہور پہنچیں گے وہ دفن کیا جاوے گا۔ ہمارے قیام تک جو غالباً تین ہفتے یا ایک ماہ ہوگا وہ زیر زمین رہے گا اگرچہ وہ اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ یہ وقت بہت قلیل ہے اور اس کے لئے اتنی بڑی تیاری کی تکلیف کو اٹھانا کچھ سود مند نہیں ہے۔ مگر میرا یہ خیال ہے کہ اگر وہ زندہ نکل آیا تو میں بخوشی اس بات کا یقین کر لوں گا کہ اگر وہ سو سال بھی زمین کے اندر رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔

اس کا بیان ہے کہ اس کے خیالات اور خواب نہایت مسرت آمیز ہیں اور جس وقت اس کو اس حالت سے یعنی سمادھی سے بیدار کیا جاتا ہے تو اس کو بہت آزار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ناخون اور بالوں کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت اس کو پہلے زمین کے اندر سے نکالتے ہیں تو اس کو تھوڑے عرصے تک سر گرانی اور کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بہت جلد معمولی صحت اور خوش دلی حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت وہ قبر میں ہوتا ہے تو اس کو صرف اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ حشرات الارض اس کو کچھ اذیت نہ پہنچائیں۔ اور اس کے دفعیہ کے لئے بکس کو چھت سے معلق لٹکا دیا جاتا ہے۔

جب میں شملہ واپس آیا تو اتفاق سے لودھیانہ کے متعلق طبی رسالہ کا ضمیمہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ یہ رسالہ ڈاکٹر میکریگر نے جو ولایت کے توپخانہ میں تھے تصنیف کیا تھا۔ ان کی اجازت سے میں مفصلہ ذیل بیان ایک فقیر کے دفن کئے جانے اور پھر زندہ نکالنے کے متعلق انتخاب کرتا ہوں۔

لاہور میں ایک فقیر نے آکر دعویٰ کیا کہ وہ ایک بکس میں بند کیا جائے تو بغیر خورد و نوش کے زمین کے اندر جتنا عرصہ مقرر کیا جائے اتنے عرصہ تک رہ سکتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے قدرتی طور پر اس آدمی کے دعوے پر یقین نہ کیا اور اس بات کا ارادہ کر لیا کہ اس کا امتحان ضرور کیا جائے۔ اس غرض سے فقیر کو ایک لکڑی کے بکس میں بند کیا اور پھر زمین کے اندر ایک چھوٹے سے تہ خانہ میں رکھ دیا۔ اس بکس کا ایک ڈھکنا تھا جو قفل سے خوب مستحکم کر دیا گیا۔ اس تہ خانے کے چاروں طرف مکان تھا۔ جس کا دروازہ بھی مقفل کیا گیا۔ ایک بند دیوار اس کے اردگرد موجود تھی۔ اس کے ایک دروازے کو بھی اینٹوں سے چن کر بند کر دیا۔ سپاہیوں کی ایک قطار جن کا وقت مقررہ پر پہرہ تبدیل کیا جاتا تھا۔ اس غرض سے وہاں رکھی گئی کہ کوئی شخص اس جگہ کے قریب نہ پھٹکنے پائے۔ چالیس دن اور رات تک نہایت سخت نگہبانی اور محافظت کی گئی اور اس عرصے کے گزرنے کے بعد مہاراج مع اپنے بنیرہ اور چند سرداروں و نیز جنرل ونتورا و کپتان ویڈ اور مصنف کے اس جگہ

پر فقیر کو نکالنے کے واسطے آئے - باہر کے دروازے کی اینٹیں اور مٹی علیحدہ کی گئی - اس کے بعد باہر کے مکان کا قفل کھولا گیا - اور آخر کار وہ بکس جس میں فقیر بند تھا کھولا گیا - ہم نے دیکھا کہ فقیر ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا - اور جب اس چادر کو اٹھایا تو اُس آدمی کو بیٹھا ہوا دیکھا - اُس کے ہاتھ اور بازو اُس کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے - اور وہ دو زانو بیٹھا ہوا تھا - پہلی تدبیر جو اس کے زندہ کرنے میں کی گئی وہ یہ تھی کہ اُس کے سر پر گرم پانی ڈالا گیا - اور اس کے بعد آٹے کی گرم روٹی اس کے سر کی چوٹی پر رکھی گئی - پھر موم کی ایک گولی اُس کے ایک نتھنے میں سے نکالی گئی - اس پر اس نے زور سے اُس میں سے دم لیا - اب اُس کا مُنہ کھولا گیا - اور زبان جو تالو کے ساتھ لگائی گئی تھی اصلی جگہ پر لائی گئی اور پھر اس کی اور ہونٹوں کی گھی سے مالش کی گئی - اس وقت تک مجھے کلائی میں کوئی حرکت نبض کی محسوس نہیں ہوئی تھی - اگرچہ جسم کی حرارت صحت کے معمولی درجہ سے بہت زیادہ تھی - ٹانگوں اور بازوؤں کو سیدھا کر کے آنکھیں کھولی گئیں - اوّل الذکر کی خوب مالش کی گئی - اور آنکھوں پر کسی قدر گھی چپڑا گیا - میں نے دیکھا کہ آنکھوں کے ڈھیلے مدھم اور پھیلے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کسی مردہ آدمی کے ہوتے ہیں - اُس وقت فقیر نے ایسی علامت ظاہر کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ جان پڑ رہی ہے - نبض محسوس ہونے لگی اور نیز جسم کی غیر طبعی حرارت بھی فوراً کم ہو گئی - اس نے ایک دو دفعہ بولنے کی کوشش کی - مگر ضعف کے سبب سے نہ بول سکا - اور آخر کار چند لفظ اس کے مُنہ سے نکلے مگر آواز ایسی نرم اور کمزور تھی کہ کچھ سمجھ میں نہ آئی - رفتہ رفتہ اس کی آواز قائم ہو گئی - اور اس نے بعض آدمیوں کو جو کھڑے ہوئے تھے پہچان لیا - اور مہاراج سے جو سامنے بیٹھے اس کی حرکات کو دیکھ رہے تھے ہمکلام ہوا - جس وقت فقیر گفتگو کرنے قابل ہو گیا تو اس مرحلہ کی کامیابی کے مشتہر کرنے کے لئے توپیں سَر کی گئیں - اور نیز اظہارِ مسرت اور طرح سے بھی کیا گیا رنجیت سنگھ نے ایک بھاری طلائی زنجیر اس کے گلے میں ڈال دی - اور تو نگل طلائی اور دوشالے و دیگر اسباب نمائش بھی اس کو دیا گیا - اگرچہ یہ کار نمایاں اہلِ یورپ و اہلِ ہند کے لئے ایک عجوبہ ہے لیکن فزی نولوجی کے اصول پر اس کی تشریح کرنا تو مشکل ہے گو ناممکن نہیں - اس آدمی نے نہ صرف اس بات کا انکار کیا کہ اس نے کوئی چیز کھائی پی نہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ چالیس دن رات کے عرصے میں اس نے تنفس کے عمل کو بھی بالکل بند رکھا ہے - ظاہری صورت سے تو اس لمبی فاقہ کشی نے اپنا معمولی اثر پیدا نہیں کیا - کیونکہ یہ آدمی نہایت اچھی صحت کی حالت میں دکھائی دیتا ہے - جس سے ظاہر ہے کہ فعل ہضم و تغذیہ معدہ میں بدستور قائم رہا مگر وہ اس سے بھی منکر ہے اور ایمان سے اصرار کرتا ہے

کہ اس تمام عرصے کو اس نے ایک نہایت خوشگوار سمادھی میں گزارا ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ اہلِ ہند ہمیشہ ریاضتوں کی مدد سے کئی کئی دن تک نہایت ہی قلیل خوراک پر اپنے آپ کو زندہ رکھ سکتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ عرصہ کی ریاضت کے بعد یہی لوگ چند منٹ تک اپنے پھیپھڑے میں ہوا کو بند کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ ہاضمہ اور تنفس کا عمل کس طرح سے اتنی دیر تک روکا جا سکتا ہے۔ اس عمل کے انجام دہی کے زمانے میں اس فقیر کا پوشیدہ رہنا بجائے اس کے کہ اس کے کرتب کو زیادہ حیرت انگیز بنا دے ان وسائل کے اخفا کا باعث ہوتا ہے۔ جن کے ذریعہ سے یہ اس کرتب کو انجام دیتا ہے۔ جب تک وہ اس بات کو نہ مان لے کہ اس حبس کے زمانے کو ایک ایسی جگہ میں جہاں اس کی حرکات دکھلائی دیتی رہیں گزارنا منظور نہ کر لے تب تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنی بالکل فضول ہے۔ جو لوگ علم حیوانات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک حیوان کے سر کو علیحدہ کرنے کے بعد بھی دل کی حرکت قائم رہتی ہے اور پھیپھڑوں کا عمل جاری رہتا ہے لیکن اس بات کو ایک منٹ کے لئے مان لینا کہ بغیر تازہ خون بننے کے جس میں بلاشبہ فعل تنفس بھی شامل ہے۔ جسم کا انتظام کچھ دیر تک بھی جاری رہ سکتا ہے بالکل لغو ہے۔ اور اگرچہ غشی کی حالت میں جو ڈوبنے یا پھانسی لینے یا بدبودار ہواؤں سے طاری ہوتی ہے رفتار خون اور تنفس کچھ دیر تک رُک جاتے ہیں مگر اس کے لئے بھی ایک حد معین ہے۔ جس سے بڑھ کر جان ختم ہو جاتی ہے۔ اور کوئی طاقت بھی جس سے ہم واقف ہیں اس کو پھر دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی۔ خود میری رائے یہ ہے کہ یہ آدمی تنفس و رفتار خون اور ہاضمہ سے اس درجہ تک کام لیتا رہا جو جان کے قائم رکھنے کے لئے مناسب ہے اور دیر کی مشق کے بعد اس نے یہ ملکہ پیدا کر لیا تھا کہ جس وقت وہ بند کیا جا رہا تھا اور پھر جب اس کو باہر نکال رہے تھے تو اس نے ہوا کو اپنے پھیپھڑوں میں چند منٹ تک جمع کر لیا تھا۔ گر یہ بات میرے قیاس میں کسی طرح نہیں آتی کہ اس کو غذا اور پانی کس طرح ملتا رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس حبس سے پہلے یہ آدمی بتدریج ہاضمہ کے عمل پر قادر ہو جاتا ہے اس لئے جو دودھ پیا جائے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی دوسرا فعل اس کا یہ ہے کہ اپنے جسم کی تمام ہوا کو اپنے دماغ میں پہنچاتا ہے۔ جس کے سبب سے کہتے ہیں کہ سر کی حالت گرم کوئلہ جیسی ہو جاتی ہے۔ اس پر پھیپھڑے رُک جاتے ہیں اور دل کے لئے جب کوئی چیز محرک نہیں ہوتی تو بند ہو جاتا ہے۔ اور جب اس طرح سے ہاضمہ انہضام تقسیم غذا، تنفس اور رفتار خون کا انتظام ہو جاتا ہے تو جسم کے جملہ رستے بند ہو جاتے ہیں اور دو زانو

بٹھا کر دونوں بازو پہلوؤں پر دبا کر رکھے جاتے ہیں۔ غرض یہ آدمی اسی صورت میں ہوجاتا ہے جس میں بکس کھولنے کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ اگر یہ سب بیان طفل تسلی ہے مگر یہ تشریح لاہور کے سادہ لوح آدمیوں کے واسطے بالکل اطمینان بخش تھی۔ اسی آدمی نے یہ کرتب جیسلمیر میں بھی کامیابی کے ساتھ دکھلایا اور لعبت لولو کی جدید طبع شدہ کتاب میں اس کا ذکر درج ہے۔

۷ رجون

فقیر عزیزالدین آج صبح بڑی گھبراہٹ کی حالت میں آئے اور کہا کہ مہاراج نے گرنتھ صاحب سے دوبارہ فال نکالی تھی اور اس میں تبدیلیٔ آب وہوا کے واسطے حکم نکلا ہے۔ اس لئے انہوں نے آج ہی شام کو لاہور جانے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ اور کہا کہ امید ہے آپ بھی اگلے دن روانہ ہوسکیں گے۔ انہوں نے پانچ میل کے فاصلہ سے لاہور کی سڑک پر اپنا خرگاہ بھیج دیا۔ ہمارا پیش خیمہ اس سے چند میل آگے روانہ ہوا۔

۸ رجون

آج ادینا نگر سے روانہ ہوئے۔ اس بات کی بڑی مسرت ہے کہ نئی جگہ دیکھنے کی اُمید ہے۔ ہمارے خیمے میں نہایت ہی شدت کی گرمی ہے۔ نصف راستے میں ہمیں رنجیت سنگھ کا کیمپ ملا۔

۹ رجون

باوجودیکہ خس کی ٹٹیاں لگانے کے علاوہ دیگر تدابیر بھی جن کے ذریعہ سے گرمی کم محسوس ہو سکے کی گئیں تاہم ہمارے خیمہ میں تمام دن تھرمامیٹر ۱۱۲ درجہ پر رہا۔

رنجیت سنگھ نے ہم کو کہلا بھیجا کہ ان سے اس سے زیادہ گرمی کی برداشت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے وہ فوراً لاہور جاتے ہیں۔ چنانچہ مع جملہ کیمپ اور قریباً پانچ ہزار فوج کے وہ لاہور پہنچ گئے اس رات انہوں نے پچاس میل سے زیادہ کا سفر کیا۔ دس بجے صبح کے بعد تھرمامیٹر ۱۱۳ درجہ پر ہے کیمپ میں بیچارے آدمی اپنے آپ کو گرمی سے بچانے کے لئے ہر طرح کا سامان کرتے ہیں۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ اس بات میں کامیاب ہوا ہوں۔ خیمے کے درمیان ایک بڑا گہرا گڑھا زمین میں کھود کر اُس کے اوپر اپنی میز کو بچھا دیا تاکہ دوہری چھت کا کام دے اور اس طرح سے دھوپ کو اپنے اوپر پڑنے سے روک دیا۔ پھر خیمے کے اندر فرش پر سقہ سے تمام جگہ چھڑکاؤ کرایا اور گھڑے کے اوپر بھیگی ہوئی چادر تان دی تاکہ وہ اندر نہ گر جائے۔ اس کے چاروں

کونوں پر میخیں لگا دیں۔ اس کے بعد میں کپڑے اُتار کر گھڑے کے اندر گھس کر دس دس منٹ کے بعد پانی کی مشک اپنے اوپر ڈلواتا ہوں اور اس طرح سے سو درجہ تک تھرما میٹر اُتر جاتا ہے۔ اور اس گرمی کو اُس کے مقابلہ میں جو بغیر اس کے برداشت کرتے ہیں بہشت کہنا چاہیئے۔

۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ر جون

گرمی اس قدر ہے جس کی برداشت نہیں ہو سکتی۔ اور ہم سے کھانا پینا سونا بھی چھوٹ گیا۔ اور زندگی صرف پانی پینے سے قائم ہے۔ مہاراج نے آج صبح لاہور سے ہم کو لکھا کہ ہمارے واسطے دو مکان تیار ہیں۔ ایک تو شہر میں دوسرا شالامار باغ میں جو شہر سے قریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم جس میں چاہیں قیام کریں۔ چنانچہ ہم نے شالامار کو شکر گزاری کے ساتھ منظور کیا۔

۱۶ر جون

آج صبح لاہور میں داخل ہوئے۔ اور مہاراج کی گاڑی ہمارے کیمپ سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہماری منتظر کھڑی تھی۔ لیکن یہ سارا سامان کچھ ایسا خستہ اور خطرناک تھا کہ ہم نے باوجود گرمی کے گھوڑوں کی سواری ہی پسند کی۔ ہم نے دیکھا کہ ہمارا کیمپ شالامار باغ کے متصل نصب ہے۔ اور یہ جگہ پنجاب میں سب سے زیادہ گرم ہے۔ مجھے کسی چیز سے ایسی تکلیف نہیں ہوئی جیسے گرمی سے۔ اگرچہ ہم آج صبح تین بجے روانہ ہوئے مگر اُس وقت بھی گرمی سو درجہ سے زیادہ ہوگی۔ ہوا کا نام و نشان نہیں۔ اور ایک قسم کا ایسا حبس ہو رہا ہے کہ دم گھٹا جاتا ہے۔ کپتان الگزنڈر بارنس جو ابھی کابل سے واپس آئے ہیں ہمارے کیمپ میں موجود ہیں۔ اور ڈاکٹر فورڈ بارنس بیان کرتے ہیں کہ جس وقت وہ کابل سے روانہ ہوئے دوست محمد خاں بڑی گھبراہٹ کی حالت میں تھا۔ اور چلتے وقت انہوں نے کہا۔ "میں اُس وحشی کو کچھ زیادہ نقصان تو نہیں پہنچا سکتا لیکن اس سے رہائی پانے سے پہلے اس کو خوب اذیت پہنچاؤں گا۔" وحشی سے مطلب رنجیت سنگھ ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ دوست محمد خاں دانا اور بہادر آدمی ہے۔ اس کا افغانوں کا رسالہ جو تعداد میں تین ہزار ہے بہت عمدہ ہے اور اکثر ان میں سے خاص سرکاری گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ دوست محمد خاں کو ان سے بہت دلچسپی ہے وہ خود روزانہ ان کے اصطبل کو جا کر ملاحظہ کرتا ہے۔ پلٹن یا توپخانہ اس کے پاس ایسا اچھا نہیں ہے۔

۱۷ر جون

آج تمام دن کام میں مشغول اور اس بات کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ کسی طرح سے اپنے

جدید مکان کو ٹھنڈا اور آرام وہ کر لوں ۔ مگر اس کام میں بہت مشکل اور تکلیف پیش آتی ہے ۔ مجھے اس میں کامیابی اس طرح سے حاصل ہوئی کہ ایک خیمہ جو طول و عرض میں بارہ اور دس فٹ تھا، خس کا نیا بنوا کر نصب کرایا ۔ اور اس کے اوپر زرد ململ کا کپڑا جو بہت باریک ہے لگا دیا ۔ تاکہ پانی جو باہر سے اُس کے اوپر گرایا جاتا ہے اندر فرش کو خراب نہ کرے اور ساتھ ہی اتنا باریک بھی ہے کہ ہوا کو گزرنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ۔ اس خیمہ کو میں نے سنگِ مرمر کے اس بڑے کمرہ میں جو باغ کے وسط میں ہے لگایا ہے اور اس کمرے کی چھت دھوپ کو روکتی ہے اور نیز چونکہ یہ چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے ۔ اس لئے ہوا کی آمد و رفت بخوبی ہے ۔ اور اگر خیمے کو خوب تر رکھا جائے تو یہ ہی گرم ہوا جس میں تنور کی مانند سوزش اور حدت ہے ٹھنڈی اور فرحت افزا ہو جاتی ہے ۔ اگرچہ کسی قدر اس میں نمی تو ہوتی ہے مگر تھرمامیٹر اس کے سبب سے ۸۴ درجہ تک ہو جاتا ہے ۔

یہ باغ نہایت خوش وضع ہے اور کہتے ہیں کہ اس پر تین لاکھ اشرفی صرف ہوئی ہے لیکن چند سال سے بالکل اس کی مرمت وغیرہ کا کچھ خیال نہیں کیا گیا ۔ فقیر عزیزالدین مجھ کو کہتے ہیں اور ان کو بخوبی یاد ہے کہ اس باغ میں اس قدر جنگل ہو گیا تھا کہ شیر اور دیگر وحشی جانور اس میں رہنے لگے تھے ۔ اب کسی قدر اس کی حالت اچھی ہے ۔ یہ باغ اگر کسی صاحب تمیز کے زیر نگرانی ہو تو بہت خوبصورت اور خوشنما ہو سکتا ہے ۔ اب بھی جب فوارے اچھلتے ہیں ۔ اور رنگتروں کے درختوں کا شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس باغ کی خوبصورت مشرقی طرز دلفریب کیفیت پیدا کرتی ہے ۔ اس میں تین درجے ہیں اور اس کے چاروں طرف دیوار ہے جس کا دَور قریباً تین یا چار میل ہے ۔ اس کے چاروں دروازوں پر ایک ایک چھوٹا گنبد ہے ۔ اور دیوار کے ہر ایک کونے پر مینار بنا ہوا ہے رنگترہ ۔ انار ۔ آم ۔ انگور کے خوشنما درخت بکثرت لگے ہوئے ہیں ۔ روشیں پتھر کی ہیں ۔ جن کے درمیان ایک نہر جاری ہے ۔ باغ کے وسط میں ایک مربع تالاب واقع ہے جس میں قریباً ایک سو فوارے ہمیشہ پانی اچھالتے رہتے ہیں ۔ اس سبب سے ہوا بہت خنک رہتی ہے چند عمارتیں جو اس میں ہیں وہ نہایت ہی مختصر ہیں ۔ اور اس سبب سے اور بھی بدنما ہو گئی ہیں کہ رنجیت سنگھ نے جو سنگ مرمر اُن پر لگا ہوا تھا اکھڑوا کر اپنے شہر کے محل میں لگوا لیا ہے ۔ اور اس کی جگہ خراب پتھر لگوا کر اس پر چونے کا کام کرا دیا ہے ۔

۱۸ جون

آج فقیر عزیزالدین ہم سے ملنے کے لئے آئے اور بیان کیا کہ ہم لاہور سے روانہ ہونے کی

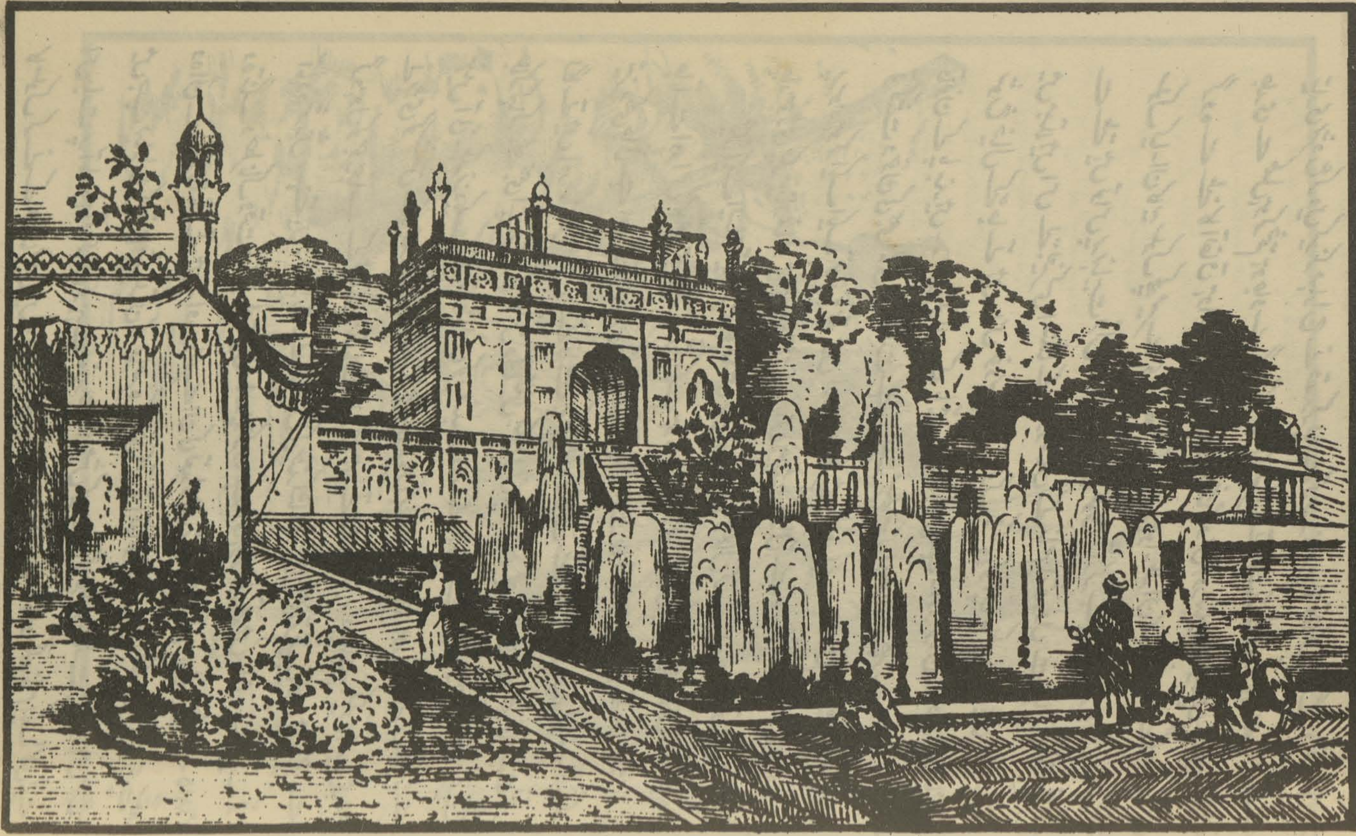

شالامار باغ لاہور ۔ ڈیڑھ سو برس قبل کا منظر

تیاری شروع کر دیں کیونکہ مہاراج نے قصد کر لیا ہے کہ عہد نامہ پر دستخط کر دیں گے اور تمام کام بہت جلدی سے مکمل ہو کر ختم ہو جاوے گا۔ آج شام کو سیر کرتے ہوئے مجھے بدقسمتی سے اکالیوں کے گروہ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ انہوں نے دشنام دہی اور نہایت کمینہ پن سے میرے ساتھ سلوک کیا۔ ان کا یہ سلوک کچھ میرے ہی ساتھ انوکھا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کا یہی شیوہ ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس پر نہایت فراخ حوصلگی سے گالی گلوچ نثار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مذہبی جنون میں مبتلا ہیں اس لئے بغیر کسی استثنا کے ہندوستان کے تمام باشندوں سے نہایت گستاخ اور شوخ خیال کئے جاتے ہیں۔ اس خودسر فرقہ کے لوگ نہ کسی کو اپنا حاکم مانتے ہیں اور نہ کسی قانون کے پابند ہیں۔ رہزنی تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اور اگر ان کے دل میں آجاوے تو کشت و خون کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ ہمیشہ مسلح ہو کر ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک ایک تلوار ہاتھ میں اور دو دو کمر میں۔ اور ایک بندوق کندھے پر اور تین یا چار جوڑی چکر مینار نما اونچی سی پگڑی میں غرض اس ہیئت کذائی سے وہ عموماً دیکھے جاتے ہیں۔

چکر ایک ایسا ہتھیار ہے جو خاص کر یہ ہی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ یہ آلہ فولاد سے بنایا جاتا ہے اور اس کا قطر چھ سے نو انچ تک ہوتا ہے اور گہرائی میں ایک انچ۔ اس کی دھار بہت تیز رکھی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس حربے کو بہت طاقت اور صحت کے ساتھ نشانہ پر لگاتے ہیں اور ساٹھ یا اسّی گز کے فاصلے پر کسی عضو کو کاٹ سکتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ ان کو بلا کر کہا کہ مجھے بھی اپنے ہنر کی نمائش دکھائیں لیکن اس بارہ میں مجھے ان کی کوئی بھی قابلیت نظر نہیں آئی۔ بلکہ نزدیک کے تماشائیوں کو بہ نسبت دور کے ہدف کے زیادہ تر خطرہ ہے۔ رنجیت سنگھ نے بڑی کوشش کے بعد ان لوگوں کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنایا ہے۔ اور ان کے بڑے بڑے گروہوں کو جو پنجاب کے مختلف مقامات میں جمع ہوتے تھے منتشر کر دیا ہے۔ لیکن اب بھی وہ آمادۂ شورش رہتے ہیں۔ مہاراج نے اکالیوں کی چند کشادہ پلٹنیں بھی ترتیب دی ہیں۔ جن سے وہ تنگ و خطرناک وقت پر کام لیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ بے خود ہو کر لڑتے ہیں۔ اس لئے ایک تو وہ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور دوسرے ان کی تعداد میں بڑی بھاری کمی ہوتی جاتی ہے۔ ۱۸۱۵ء میں جب مہاراج کی فوج شہر ملتان کا محاصرہ کر رہی تھی تو افغانوں نے ایسا جمکر مقابلہ کیا کہ رنجیت سنگھ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ان کو بہت مفید شرائط پیش کرے۔ اگرچہ ایسی حالت میں وہ اس طرح کا سلوک کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ ابھی یہ معاہدہ طے ہو رہا تھا کہ سادھو سنگھ نام ایک اکالی اپنے

اکالئے سکھ

چند رفیقوں کو لے کر آگے بڑھا اور خندق تک پہنچ گیا اور جوش کی حالت میں بغیر حکم کے افغانوں پر جو یا تو سوتے تھے یا وہ اپنی نگرانی سے غافل تھے حملہ آور ہوا۔ اور سب کو تہ تیغ کیا۔ سکھوں کی فوج نے اس سے فائدہ اٹھا کر چڑھائی کر دی اور دو گھنٹے کے اندر قلعہ فتح ہو گیا۔ مظفر خاں اور اس کے چار لڑکوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر سب دروازہ قلعہ میں مارے گئے۔

اگرچہ رنجیت سنگھ نے ان کی ایذا رسانی کو بہت کم کر دیا ہے۔ لیکن ابھی تک اُنکی بیخ کنی نہیں ہو سکی۔ اور اپنے آپ کو بھی وہ توہین اور دشنام دہی سے ہرگز نہیں بچا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ معمولی بات ہے کہ جب کبھی ان کی پلٹن کا معائنہ ہوتا ہے تو جس وقت رجمنٹ ان کے سامنے سے گزرتی ہے تو وہ مٹھی بھر کر بندوق کی گولیاں ان کے پاؤں کی طرف پھینکتے ہیں۔ اور ہر ایک طریقے سے ان کی توہین کر کے دشنام دیتے ہیں۔ اور نیز ان کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دیتے ہیں۔ اور یہ دھمکی صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر پورا کرنے کی کئی دفعہ کوشش کی ہے مہاراج یہ سب کچھ بڑی نرمی سے برداشت کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کو اس سے اور بھی دلیری ہوتی ہے۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ جب کبھی وہ کسی سنگین جرم کے مرتکب ہوتے ہیں مثلاً رہزنی یا قتل تو ان پر کوئی رحم نہیں کیا جاتا۔ اور مطابق جرم کے ان کی ناک، کان، بازو، ٹانگیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ جن دنوں میں ہم ادینا نگر میں تھے تو ایک سپاہی نے ایک آدمی جو راجہ گلاب سنگھ کا ملازم خیال کیا جاتا تھا آم کے درخت میں چھپا ہوا دیکھ لیا۔ اس درخت سے مہاراج کا زنانخانہ نظر آتا تھا۔ سپاہی نے دو دفعہ بندوق چلا کر اس کو نیچے گرا لیا۔ اور دربار کے وقت تک اُس کو قید میں رکھا۔ مہاراج نے اس کو بلا کر پانچ منٹ کے اندر ناک اور کان کٹوا کر رخصت کیا اور وہ چند گھنٹے کے اندر مر گیا۔

۱۹ر جون

ہماری شملہ کی روانگی کم از کم ایک مہینہ تک اور ملتوی ہو گئی۔ بوڑھے شیر نے برہم ہو کر عہد نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور چاہتا ہے کہ طرح طرح کی رعایتیں کی جائیں جو کہ مشکل ہیں۔ اس لئے دارالخلافہ سے دریافت کرنا ضروری ہو گیا۔

صبح کے وقت میں حسب عادت گھوڑے کی سواری کے واسطے گیا۔ مگر میرے دل میں اس توقف کے پیدا ہو جانے کا رنج تھا۔ میری دلی خواہش تو یہ تھی کہ مہاراج جلدی رضامند ہو جائیں۔ اور اپنی روزمرہ کی سمجھ سے کام لیں۔ ان کے بڑے بڑے سردار اپنی ذاتی اغراض کو مدنظر رکھ کے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مہاراج بجائے دوست ہونے کے ہمارے دشمن ہو جائیں۔ اگرچہ وہ اس بات میں تو کامیاب ہو جائیں کہ مہاراج کچھ دیر تک تامل کریں لیکن رنجیت سنگھ

کو یہ سمجھنے کی کافی عقل ہے کہ اس کی تمام طاقت بلکہ اس کی سلطنت کا قیام بھی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ ہم سے دوستانہ تعلق رکھیں۔

سیر کرتا ہوا میں پریڈ کے میدان پر جو شہر کی دیوار سے ملحق ہے جا پہنچا۔ یہ ایک خوشنما سرسبز میدان ہے جس پر چند شاندار درخت بھی موجود ہیں اور علاوہ اس کے ایک مختصر سی عمارت آم کے درختوں کے جھنڈ میں تعمیر کی ہوئی ہے جس میں مہاراج بیٹھ کر اپنی فوج کا معائنہ کرتے ہیں۔ اس وقت قریباً چار ہزار فوج اس میدان کے مختلف حصوں میں قواعد کر رہی تھی اور ایک گھوڑوں کا توپخانہ بھی دیوار کے سایہ میں تیار موجود تھا۔ میں افسرانِ فوج سے گفتگو میں مشغول تھا کہ مہاراج نے مجھے دیکھ کر بلا بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس عمارت میں جس کا ذکر میں نے کیا ہے۔ بیٹھے اپنی فوج کی قواعد کا ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اس وقت لاہور میں ان کے پاس کس قدر فوج موجود ہے جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ تخمیناً بارہ ہزار پیدل اور دو ہزار رسالہ کے سوار ہیں۔ اور اظہار کیا کہ ایک دو دن میں وہ سب مجھ کو دکھلائیں گے۔ انہوں نے مجھ سے متعدد سوالات دوبارہ ادائیگی تنخواہ افواج کمپنی دریافت کئے۔ اور بیان کیا کہ انہوں نے مجبوراً کئی سو آدمی پشاور کی رجمنٹ میں سے اس واسطے برخاست کر دیئے کہ انہوں نے بغاوت کی تھی۔ میں نے پوچھا کہ ان کو تنخواہ کب دی گئی تھی۔ فرمایا کہ اٹھارہ مہینے ہوئے۔ اور اس پر بھی وہ شاکی تھے۔ میں نے کہا تعجب ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ ایسی حالت میں کیا عمل کریں۔ میں نے جواب دیا کہ چونکہ ہمارے ہاں فوج کو باقاعدہ اور وقت پر تنخواہ ملتی ہے اس لئے ہمارے سپاہی ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میرے سپاہیوں کو بھی اسی طرح ملتی ہے۔ اور علاوہ ازیں چھ مہینے سے وہ بدمعاش لوٹ مار بھی کرتے رہے ہیں۔ میں نے اُن کو یہ سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ وہ بیچارے اور کس طرح سے زندگی بسر کریں۔ لیکن وہ بالکل نہ مانے۔

۲۰ / جون

آج صبح جملہ یورپین افسران جو مہاراج کے ملازم ہیں ہمارے یہاں کھانا تناول کرنے آئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی ملازمت سے کچھ خوش نہیں ہیں۔ اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کیونکہ اوّل تو ان کی تنخواہ کم ہے۔ اور وہ بھی بقایا میں رہتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ نہ تو اُن کی کچھ توقیر ہے اور نہ ہی اُن پر اعتماد ہے۔ جب یہ لوگ مہاراج کی ملازمت اختیار کرتے ہیں تو ان کو ایک تحریری اقرار نامہ دینا پڑتا ہے۔ اور بعض ان میں سے عجیب قسم کی دست آویزیں ہیں مثلاً تحریر کنندہ اپنے

آپ کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ پنجابی عورت سے شادی کرے گا۔ اور جو کوئی مہاراج کے دشمن ہوں گے ان کے برخلاف نمک حلالی سے خدمت بجالائے گا۔ اور جب تک پہلے خاص طور پر اجازت نہ لے لے اُس وقت نہ تو مہاراج کے ملک سے باہر جائے گا۔ اور نہ ہی اُن کی ملازمت ترک کر دے گا۔

بہت سی مثالوں میں سے یہ ایک مثال ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ بیحد لالچ کے سبب سے اپنے منفعت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اُن کے پاس دنیا میں سب سے اچھے آدمی فوج کے واسطے موجود ہیں اور ان کو کمپنی کے سپاہیوں کا ہم پلّہ بنانے کے واسطے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ یورپین افسر اُن پر رکھے جائیں۔ مگر چونکہ اُن کو روپیہ کی محبت ہے اس لئے اس کام میں ایسی رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے کہ وہ عادی ہونے کی وجہ سے اُن کو ہٹا نہیں سکتے۔ اور اگرچہ اُن کی فوج دیگر دیسی طاقتوں کے مقابلہ میں بہت جری ہے لیکن وہ ایسے قواعد دان اور تربیت یافتہ نہیں جیسا کہ ظاہرا دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنے یورپین ملازموں پر اعتماد نہیں۔ بلکہ ان سے حسد کرتے ہیں۔ رنجیت سنگھ کی عمر تو اب بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اور لالچ طبیعت میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس کو بدلنا مشکل ہے۔ اور جب تک کوئی ایسے واقعات پیش نہ آئیں جس سے اُن کو ثابت ہو جائے کہ نازک وقت پر اُن کو موجودہ فوج پر کچھ بھروسہ نہیں ہو سکتا اس وقت تک وہ ہرگز کشادہ دلی سے کام نہیں لیں گے اور ان کی فوج جیسے کہ اب ہے اسی طرح نکمی اور کمزور رہے گی۔

۲۱ر جون

حبس کے سبب سے گرمی اس قدر بڑھ گئی کہ برداشت نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب برسات شروع ہونے والی ہے۔ اور اگر ایسا ہی ہوا تو ہمارا واپسی کا سفر شملہ بہ نسبت ہمارے یہاں آنے کے وقت کے زیادہ تکلیف دہ اور لمبا ہوگا۔ صبح کے وقت ایک گھنٹہ تک بڑے فوارہ کے متصل بیٹھنے سے بہت آرام معلوم ہوتا ہے کیونکہ پانی اس وقت سرد ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے تمام دن طبیعت پُرفرحت رہتی ہے جس وقت میں پانی کے اندر داخل ہوتا ہوں تو سکھ سپاہی فوجی قاعدہ سے کھڑے ہو کر بڑی چُستی سے مجھے سلام کرتے ہیں۔ اور جب تک میں پانی کے اندر رہتا ہوں اُس وقت تک برابر سلامی کی حالت میں رہتے ہیں۔ اور مجھے اس برہنگی کی صورت میں بڑی مشکل اس بات کی ہو جاتی ہے کہ میں پوری متانت سے ان کو جواب نہیں

دے سکتا۔

مہاراج نے شام کو ہمارے واسطے ارباب نشاط کا ایک نیا طائفہ بھیجا۔ اور اگرچہ عموماً مقصد ان لوگوں سے یہ ہوتا ہے کہ باعث تفریح ہوں۔ لیکن میں نے کبھی ایسی بدصورت عورتیں نہیں دیکھی تھیں اس لئے ناپسند کر کے واپس کر دیا۔ جس سے وہ بہت آزردہ خاطر ہوئیں کہ صرف صورت ہی کے سبب سے ہم نے اُن کو منظور نہ کیا۔ اور اس بات کا اُن کو موقع نہ دیا کہ علم موسیقی میں وہ اپنی اظہار لیاقت کر سکیں۔

۲۲ر جون

طلوع آفتاب کے بعد ہی ہم پریڈ کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ رنجیت سنگھ ہاتھی پر سوار ہو کر ہم کو ایک میل کے فاصلہ پر آملے۔ اور ہم اُن کے ہمراہ پیادہ فوج کے دست راست کی جانب چلے گئے۔ یہ فوج تعداد میں قریباً بارہ ہزار کی ہوگی۔ اور شہر کے دروازہ تک جس کا فاصلہ دو میل سے زیادہ ہوگا۔ برابر کھڑے ہوئے تھے۔ کوئی فوج بھی میرے دیکھنے میں نہیں آئی جس کی ایسی سیدھی اور خوبصورت قطار ہو۔ ان کی سفید وردی ہے اور سیاہ پیٹی۔ اور سر پر یا تو سیاہ، ورنہ زرد رنگ کی ریشمی پگڑیاں ہیں اور عمدہ ساخت کی بندوق و سنگین سے مسلح ہیں۔ اور یہ ہتھیار رنجیت سنگھ کے لاہور کے کارخانہ میں تیار کئے گئے ہیں۔ اس فوج کی حرکات نہایت باقاعدہ ہیں، مگر بہت سُست۔ اور یورپین رجمنٹ ان کو آسانی سے گھیر سکتی ہے۔ اس نقص کا علاج سہولیت سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک کافی تعداد مستعد یورپین افسران کی ان پر مقرر کی جائے۔ مگر موجودہ مروّجہ طریقہ بہت ہی خراب ہے۔ کیونکہ کمانڈنگ افسر میجر کو پیٹتا ہے اور دشنام دیتا ہے۔ اور میجر یہی سلوک کپتان سے کرتا ہے اور اسی طرح کپتان اپنے ماتحت سے۔ حتیٰ کہ جب سپاہی دیکھتا ہے کہ اور تو کوئی پیٹنے کے لئے ہے نہیں، تو وہ ڈھل نواز لڑکوں پر ہی اپنا غصّہ نکال لیتا ہے۔

جس زمانہ میں دوست محمد خاں کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی تو رنجیت سنگھ کے بعض نہایت عمدہ قواعد دان رجمنٹ کی بابت ایک دلچسپ حکایت مشہور ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تنگ وقت میں ان کی قواعد اور اطاعت پر کس درجہ تک اعتماد ہو سکتا ہے۔ ہنگامۂ کارزار کے نازک وقت میں رنجیت سنگھ نے ایک مفید موقع دیکھ کر فوج کے اُس نہایت جرّی دستہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جو ابب تک لڑائی سے علیحدہ منتظر کھڑا ہوا تھا۔ اس حکم کو سن کر سب نے مجموعی طور پر پکار کر جواب دیا کہ مہاراج پریڈ کے میدان پر اور امن کی حالت میں تو قواعد مناسب ہے لیکن اس

جان جوکھوں کے وقت میں ہم سے اُس کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ اور یا تو ہم اپنے طریقے کی لڑائی کرینگے ورنہ ہم بالکل لڑائی میں شامل نہ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ سب صف بندی کو توڑ کر بجائے خود علیحدہ علیحدہ لڑنے لگے۔ جس کا قدرتی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کو شکستِ فاش ہوئی۔

فوجِ سکھاں کی قابلیت کی بابت روایتیں اُن اشخاص کی زبانی جنہوں نے بچشم خود لڑائی کے وقت ان کو دیکھا ہے۔ ایسا اختلاف رکھتی ہیں کہ اصلیت کو اُس میں سے نکالنا بہت ہی مشکل ہے لیکن جو کچھ میں نے بذاتِ خود پریڈ پر ان کی قواعد وغیرہ دیکھ کر نتیجہ نکالا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کو فائدہ مند اور جرّی بنانے کے لئے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اُن کو باقاعدہ تنخواہ ملے اور اچھے تجربہ کار افسر اُن پر مقرر کئے جائیں۔ سکھوں پر عموماً یہ دھبہ لگایا جاتا ہے کہ ان میں بہادری کا مادہ کم ہے۔ لیکن میں اس کی صداقت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لوگ افغانوں سے سخت طریقہ پر لڑتے رہے ہیں۔ اور کئی دفعہ اُن کو شکست بھی دی ہے۔ اور اس کا خیال کہ ہمارے سپاہیوں کے مقابلے میں یہ کیا کر سکتے ہیں سو یہ امر لازمی طور پر مشکوک رہے گا لیکن میں یہ تو مانتا ہوں کہ اگر ان پر ہمارے جیسے لائق افسر ہوں تو وہ ہر طرح سے قابل اور کارگزار ثابت ہوں گے۔

مہاراج کا ذاتی رُعب اپنی فوج پر بے حد ہے۔ کیونکہ جیسے کہ وہ فطرتاً سرکش اور مفسد ہیں اور اس پر اُن کو تنخواہ کم ملتی ہے اور کام زیادہ لیا جاتا ہے۔ رنجیت سنگھ کے رُعب اور کاردانی اور اقتدار کا باعث ہے۔ اور اُن کو بلا تکلّف یہ بات (نادر شاہ کی طرح دہلی کی فتح کے بعد) حاصل ہوگئی کہ ایک فتحمند اور طاقتور فوج کو، جو حال کی کامیابی کے سبب پُر حوصلہ تھی، مجبور کر کے اُس نے غنیمت کا مال لے کر اپنے تصرف میں کر لیا۔ یہ امر واقعی ملتان کی فتح کے بعد اس طرح پیش آیا کہ جب محاصرہ کے بعد فوج لاہور میں واپس آئی تو مہاراج نے اعلان کر دیا کہ جملہ اسباب غنیمت سرکاری مال خیال کرنا چاہیئے۔ اور اس لئے بذریعہ دھمکی اور سزا کے تقریباً تمام بیش قیمت اشیاء کو وصول کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

فوج کا ملاحظہ کرنے کے بعد ہم رنجیت سنگھ کے ہمراہ دریا کو عبور کر کے دوسری طرف توپخانہ دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ یہ توپخانہ دریا کے کنارہ پر آراستہ موجود تھا۔ اور یہ توپیں لاہور کے کارخانے میں اس نمونہ کے مطابق ساخت کی گئی تھیں۔ جو لارڈ ولیم بنٹنگ نے مہاراج کے پیش کی تھیں۔ اس میں صرف یہی بات دیکھنے میں معیوب معلوم ہوتی ہے کہ ساز بہت بوسیدہ ہے اور کئی جگہ سے

مرمت ہونے کی وجہ سے بدنما ہوگیا ہے۔ گھوڑے اگرچہ قد میں چھوٹے ہیں لیکن چُست اور اچھی حالت میں نظر آتے ہیں۔ مہاراج اپنے توپخانہ کی آراستگی اور قابل تعریف صفائی پر بہت نازاں ہیں۔ اور یہ اُن کا ناز فی الواقعہ درست بھی ہے کیونکہ کسی دلیسی طاقت کے قبضے میں اس قدر عمدہ اور باقاعدہ سامان موجود نہیں ہے۔ راجہ دھیان سنگھ اپنے آقا کے اس دستہ فوج کے انتظام کُلی میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اُن کی سرگرم نگرانی میں اس کو روز بروز زیادہ زیادہ ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ حصّہ سکھوں کے جملہ سامان جنگ سے بہتر ہے اور سر دست لائق اور نہایت ہی مضبوط آلہ بن گیا ہے۔ مہاراج کی باقاعدہ پیادہ فوج کو جنرل ونتورا نے جو کہ اٹلی کے باشندہ ہیں آراستہ کیا ہے اور انہیں کی خدمات کی وجہ سے موجودہ سپاہیانہ طرز اور قواعد دانی کا اثر موجود ہونا خیال کرنا چاہیئے۔ اور باقاعدہ رسالے کو جنرل الاڈ نے جو فرانسیسی افسر ہیں ترتیب کیا ہے، مگر جو کچھ میں نے سُنا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراج کی تنگ دلی کے سبب سے ان کے کام اور ارادوں میں ایسی رُکاوٹ پیدا ہوگئی کہ اُن کو رسالہ کے ترتیب کرنے میں ایسی کامیابی نہیں ہوئی جیسے جنرل ونتورا کو پیادہ فوج کو آراستہ کرنے میں ہوئی ہے۔ مہاراج کی ملازمت میں یہ دونوں افسر بڑے کارکن و قابل ہیں، اگر مہاراج اُن کے ساتھ زیادہ کشادہ دلی اور بلند حوصلگی سے سلوک نہیں کرتے تو وہ خود ہی اپنی منفعت کے خلاف کرتے ہیں۔

۲۳ رجون

آج صبح تمام باغ میں اپنے دوست فقیر کے دفن کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کرتا رہا۔ اور آخر دیوارِ باغ کے ایک مینارہ کے نیچے کا چھوٹا سا مدوّر کمرہ پسند کیا۔ اس کمرہ کا قُطر قریباً بیس فٹ کا ہے اور محرابی چھت ہے۔ اور فرش بھی پختہ اینٹوں کا لگا ہوا ہے۔ اس میں ہم نے معمار سے ایک پانچ فٹ مربع کا محرابی تہ خانہ بنوایا۔ اور اس میں ایک دروازہ اس قدر کشادہ رکھوایا جس میں صرف وہ بکس جس میں فقیر بند ہے داخل ہو سکے۔ یہ بکس لکڑی کے مضبوط تختوں سے جو دو انچ موٹائی میں ہیں بنایا گیا ہے، اور زنجیر اور کُنڈا اور ایک مضبوط قفل سے اس کو محفوظ کیا گیا ہے۔ جس وقت دروازہ بند کرنے کے لئے اینٹیں اور چُونا موجود ہوگیا تو ہم نے فقیر سے کہلا بھیجا کہ سب چیز تیار ہے۔ اس لئے جواب میں فقیر نے کہا کہ وہ شام کو یا اگلی صبح کو آئے گا۔

۲۴ رجون

طلوع آفتاب کے وقت مہاراج کی خدمت میں وعدہ کے موافق اُن کے توپخانے کی

چاند ماری دیکھنے کے لئے گئے۔ بریڈ کے میدان پر تیراں عدد توپ پیتل کی جس میں ۹ پونڈ کا گولہ چل سکتا تھا موجود تھیں۔ اور ان کی محافظت کے لئے دو دستے باقاعدہ رسالے کے زیر کمان راجہ دھیان سنگھ حاضر تھے۔ جس وقت انہوں نے پہلے ایک گھنٹے تک قواعد کرلی اور بعض آسان حرکات کو بہت صحت اور استحکام کے ساتھ ادا کرلیا تو پھر انہوں نے چھرّے سے دو سو گز کے فاصلے سے پردہ پر نشانہ مارنا شروع کیا۔ میرے خیال میں دنیا میں جو توپخانہ ایسی اچھی چاند ماری کرسکے اُس کو واقعی فخر کرنا لازم ہے۔ چھرّے سے پہلی ہی دفعہ میں پردہ صاف اُڑا دیا گیا۔ اور آٹھ سو گز سے بارہ سو گز کے فاصلے تک ان کی گولہ اندازی ایسی صحت کے ساتھ کی جاتی تھی کہ واقعی حیرت معلوم ہوتی تھی۔ اور خاص کر اس وجہ سے بھی کہ اُن کو بہت ہی قلیل عرصے سے اس قسم کے گولوں اور توپوں کا علم ہوا ہے۔ جس وقت چاند ماری ختم ہوگئی تو میں دھیان سنگھ کے ساتھ پردوں کے پاس گیا اور دیکھا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ راجہ کو اپنی کامیابی پر نہایت مسرت ہوئی۔ اور اس نے رنجیت سنگھ سے عرض کیا کہ مہاراج اگر دوست محمد موجود ہوتا اور دیکھتا کہ میں کیسی مہارت اور قابلیت رکھتا ہوں تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔

چونکہ جنرل الارڈ کے رسالے کے دو دستے موجود تھے۔ اس لئے میں نے موقع دیکھ کر اُن کا معائنہ کیا۔ میں نے آج پہلی ہی دفعہ ان کو دیکھا ہے اور مجھے اُن کی ذلیل حیثیت دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی ہے۔ پیدل فوج کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی شان و شوکت دکھلائی نہیں دیتی۔ ہر عمر کے آدمی اس میں بھرتی کئے ہوئے ہیں جن کے لباس خراب اور جسم بدصورت ہیں، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ گھوڑے کسی کام کے نہیں۔ غرض یہ کہ وہ پنجاب کے پیدل سپاہی کا نہ تو صورت میں اور نہ حقیقت میں یعنی کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت پیدل سپاہیوں کی بھرتی ہوتی ہے تو مہاراج خود ہر ایک رنگروٹ کا ملاحظہ کرتے ہیں اور رسالے کے سوار عموماً ایسے ہوتے ہیں جو مختلف سرداروں کے متعلقین میں سے لے کر بھرتی کئے جاتے ہیں اور بہ نسبت قابلیت کے زیادہ تر سفارش اور مروت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

۲۵ رجون

آج صبح بے انتہا توپوں کے چلنے کے باعث ہم سب چونک اُٹھے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کھڑک سنگھ جو ولی عہد ہیں رات کو پشاور سے آئے ہیں۔ اس لئے ان کے اعزاز

میں دو بڑی بڑی توپیں جو فصیلِ شہر پر نصب ہیں اور نیز کل توپخانہ مہاراج کے حکم سے فائر کیا گیا ہے۔ یہ ایسا نشانِ اعزاز ہے کہ مہاراج بھی خاص اپنی ذات کے لئے اس کا عمل شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔

۲۶ رجون

آج صبح ہم نے ہاتھیوں کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اور اُن پر سوار ہو کر دل بہلانے کی غرض سے چند گھنٹے کے واسطے شکار کھیلنے کے لئے گئے۔ اور چونکہ سنا جاتا ہے کہ مہاراج کی شکار گاہ میں خرگوش، سیاہ تیتر، جنگلی سوٗر بکثرت ہیں، اس لئے سیدھے اُس میں گئے۔ سکھ لوگ برخلاف مذہبی عقائد دیگر باشندگانِ ہند کے سوٗر کے گوشت کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اور رنجیت سنگھ نے اس شکار گاہ میں اناج اور کماد کی زراعت کرا دی ہے۔ تاکہ یہ جانور زیادہ کثرت سے موجود رہیں۔ گائے کا گوشت پنجاب میں ایسا ممنوع خیال کیا جاتا ہے جیساکہ سوٗر اہلِ ہندوستان میں۔ اور ستلج کے دوسرے کنارے کی طرف کوئی شخص گائے کو مارے تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ ہرگز جانبر نہ ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ شکار گاہ میں بڑی افراط سے سیاہ تیتر اور جنگلی سوٗر ہیں اور دو گھنٹے تک ہم بڑے شوق سے شکار میں مشغول رہے۔ جس وقت ہمارے ملازم شکار لئے واپس آرہے تھے۔ تو مہاراج اُن کو مل گئے۔ انہوں نے ہر ایک کو بڑے غور سے دیکھا۔ اور ہر ایک کے جسم پر جس قدر گولیوں کے زخم تھے اُن کو شمار کرتے گئے۔ اور جب اُن میں سے ایک کو صرف ایک ہی گولی سے مرا ہوا دیکھا تو دریافت کیا یہ کس نے مارا ہے اور فرمایا کہ یہ واقعی اچھا نشانہ ہے۔ اور جن کے جسم پر بہت سی گولیوں کے نشان تھے اُن کی نسبت فرمایا کہ یہ اچھا نہیں۔ انہوں نے ہر ایک ملازم کو دس دس روپیہ انعام دیئے۔ اور خوش اخلاقی سے ہمیں کہلا بھیجا کہ جب کبھی ہمارا دل چاہے ہم اُس جگہ شکار کھیلنے کے لئے چلے جائیں۔

شام کے وقت شیر سنگھ کا ایک خط مجھے ملا جس میں لکھا تھا کہ اگر میں دوسری دفعہ شکار کھیلنے کے لئے جاؤں تو مہاراج سے درخواست کر کے اُن کے لئے بھی جانے کی اجازت لے دوں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تاکید تھی کہ مہاراج کو ہرگز اس بات کی اطلاع نہ ہو کہ میں نے اُن سے کوئی خط و کتابت کی ہے۔ میں نے اُن کو ملائم طریق سے کہلا بھیجا کہ میں مہاراج کی مہربانی پر ایسی جرأت نہیں کر سکتا کہ اُس شکار گاہ میں جو انہوں نے خاص اپنی تفریح کے واسطے

بنا رکھی ہے کسی دوسرے کے لے جانے کی سفارش کر سکوں ۔ اور مجھے تو خاص عنایت کی وجہ سے یہ استحقاق حاصل ہے ۔ اور ایک ایسے شخص کے واسطے جو خاص اُن کے دربار اور خاندان سے تعلق رکھتا ہے میں کسی طرح بھی حصولِ اجازت کا حوصلہ نہیں کر سکتا ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُن کے ہمراہ کسی اور طرف کو جانے کے لئے خوشی سے آمادہ ہو جاؤں ۔ انہوں نے مروت اور اخلاق سے جواب بھیجا کہ آپ کا خیال صحیح ہے ۔ اور چونکہ ہم غالباً صبح کو ملیں گے ۔ اس لئے اُس وقت ایک اور جنگل میں جو یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ہے شکار کھیلنے کی تجویز کریں گے ۔

آج صبح کا وقت اپنے دوست فقیر کو دفن کرنے کے لئے مقرر تھا ۔ اور وہ بھی قلب اور جسم کی صفائی کر کے رات کو آ گیا تھا ۔ اور بڑی تمنا سے اُس وقت کا منتظر تھا کہ اپنے دعوے کی کامیابی کا ثبوت دیکر اپنی راستی کا اظہار کرے ۔ طلوع آفتاب کے وقت میں اُس سے ملنے کے لئے گیا ۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھا ہوا دعا میں مصروف ہے اور اگرچہ وہ ظاہر تو نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن سراسیمگی اور خوف کے آثار اس کے چہرے پر پائے جاتے تھے ۔ اور پہلے کی طرح پُر حوصلہ نہیں معلوم ہوتا تھا ۔ تاہم اُس نے اصرار سے کہا کہ بارہ بجے کے وقت جس کی قرارداد ہو چکی ہے وہ تیار رہے گا ۔ غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص آخر وقت تک اس سوانگ کو نبھانے کے لئے آمادہ ہے ۔ وقت مقررہ پر ہم سب جمع ہو گئے ۔ اور پروہتوں اور گروؤں کا ایک انبوہ کثیر بھی اس خدا پرست آدمی کو زندہ دفن ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے موجود ہو گیا ۔ صبح کی نسبت اس آدمی کا حوصلہ کچھ گھٹا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس نے ملتے ہی اظہار کیا کہ ہم نے انعام کا وعدہ تو اس سے کچھ کیا ہی نہیں ۔ جس پر ہم نے جواب دیا کہ ہم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر ہم نے اس بزرگوار کو کچھ انعام دینے کا ارادہ کیا تو شاید وہ رنجیدہ ہو جائے ۔ مگر چونکہ ہمارا خیال غلط نکلا ہے اس لئے ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر ایک ہفتہ کے اختتام پر تم زندہ نکل آئے تو پندرہ سو روپیہ دیا جاوے گا ۔ اور نیز ہم کو اس بات کے بھی اختیارات دیئے گئے ہیں کہ رنجیت سنگھ کی طرف سے بھی دو ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا ہونے کا وعدہ کر لیں ۔

اُس نے دریافت کیا کہ اس بارہ میں آپ نے کیا احتیاط اور انتظام کیا ہے کہ نہ تو باہر سے کوئی مجھے مدد دے سکے اور نہ ہی میری حالت میں کوئی خلل پیدا ہو ۔ ہم نے دو قفل اُس کے صندوق کے واسطے اور دو اور تہ خانے کے باہر کے دروازے کے لئے اُس کو دکھلا کر کہا کہ ان میں سے ایک ایک کنجی تو جس کو تم کہو دی جائے اور باقی کی ہم اپنے قبضہ میں رکھیں گے ۔ جملہ

قفل ہا کو اپنے ہاتھ سے بند کر کے اپنی مہریں لگا دیں گے۔ اور اُس کمرے کے باہر کے دروازہ کو جس میں تہ خانہ بنایا گیا ہے۔ اینٹوں سے بند کریں گے۔ اور مینارے کے چاروں طرف ہم اپنی فوج کے سنتری رات دن پہرہ کے لئے مقرر کریں گے۔ اگر عرصہ ایک ہفتہ کے بعد تم زندہ وسلامت نکل آئے تو زرِ نقد اور دیہات تمہارے حوالے کئے جاویں گے۔ اس پر وہ کچھ خوف زدہ سا معلوم ہوا۔ اور اس انتظام پر جو اس نے خود ہی ایک دن پہلے تجویز کیا تھا اعتراض کرنے لگا۔ اور اس پر مصر ہوا کہ ہر ایک قفل کی ایک ایک کنجی وہ اپنے متعلقین کو دلائے گا۔ اور مہروں کی بابت کہا کہ وہ قفلوں کے ایک خاص جگہ پر لگانی چاہئیں، میرے خیال میں قطعی بے فائدہ ہوتیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اس جگہ کے قریب کوئی مسلمان سنتری مقرر نہ کئے جائیں۔ ایک گھنٹے کے جھگڑے کے بعد وہ اس بات پر مصر رہا کہ ان شرائط کے بموجب اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ہم اپنے ارادے پر قائم رہے کہ ہم فریب سے کوئی کام نہ ہونے دیں گے۔ اور آخر ہم اُٹھ کر جانے کے لئے تیار ہوئے۔ یہ دیکھ کر اُس نے بہت ہی غصّے کی حالت میں تمام انگریزوں کو خصوصاً ہم کو سخت گالیاں دینی شروع کیں۔ اور کہا کہ تم اتنی دُور سے چل کر لاہور میں صرف اس غرض سے آئے ہو کہ لوگوں کی نظروں میں مجھ کو شرمندہ کر کے متفنّی ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا کہ تم کو کبھی کامیابی نہ ہوگی۔ میری کرامت لوگوں کے دلوں میں ایسی مضبوطی سے قائم ہو چکی ہے کہ تمہارے جیسے منکر اور بے ایمان فرنگی کی کوشش سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔ ہم نے اس کو بہت سمجھایا کہ تم نے خود ہی ایسی بات کا دعویٰ کیا تھا جسے ہم بالکل ناممکن الوقوع سمجھتے تھے۔ اگر جیسا کہ تم کہتے ہو کہ پہلے بھی لوگوں نے ایسا کیا ہے تم خود عمل کر کے کامل طور پر یقین دلا دو تو ہم نہ صرف ماننے کے لئے تیار ہیں بلکہ شہادت دینے کو موجود ہیں۔ مگر یہ شخص اُسی طرح غصے کی حالت میں دشنام دیتا رہا۔ ہم نے تھوڑی دیر تک تو کوشش کی کہ اُس کو نرمی سے ٹھنڈا کریں۔ آخر ہم وہاں سے چلے آئے۔ اور اس بات کا ہم کو یقین ہو گیا کہ وہ بالکل دغاباز ہے۔ شام کے قریب اُس نے مہاراج کے ایک سردار کو بھیج کر پیغام دیا کہ رنجیت سنگھ اس کے ساتھ بہت خفا ہو گئے ہیں۔ اور جب تک وہ ہم کو یقین دلانے میں کامیاب نہ ہو جائے گا اُس وقت تک ایک تو اس کی شہرت جو لوگوں میں قائم ہو گئی تھی جاتی رہے گی دوسرے اس کے اپنے ملک کے آدمیوں اور ہم پیشہ لوگوں کی نظروں میں اُس کا متفنّی ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے اس سے بچنے کے لئے وہ ہماری شرائط کو منظور کرتا ہے۔ اگرچہ اُس کو اس بات کا تو یقین ہے کہ ہمارا مقصد اُس کو تباہ کرنے

کا ہے اور نیز یہ بھی کہ ہم اس بات کو جانتے بھی ہیں کہ وہ کبھی زندہ اور سلامت نہ نکلے گا۔

میں نے جواب میں اُس کو کہلا بھیجا کہ جس طرح اُس کو اپنے آخری فقرہ پر یقین ہے فی الواقع میں بھی اس کو صحیح سمجھتا ہوں۔ اور اگرچہ اُس کی موت کے بعد کچھ تفتیش نہیں ہوگی۔ لیکن میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اُس کی موت میرے نام لگائی جائے اور چونکہ وہ خود بھی اس بات کو مان گیا ہے کہ یہ عمل خطرناک ہے۔ اس لئے میں بھی اب اِس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔

۲۸ر جون

آج میں صبح کے وقت سیر کرتا ہوا پریڈ کے میدان کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ رنجیت سنگھ کچھ پیدل فوج اور توپخانہ معائنہ کر رہے ہیں۔ یہ حصہ فوج کا ہیرا سنگھ کے متعلق ہے لیکن چونکہ یہ لڑکا بہت عیش پسند ہے، اس لئے امید نہیں کہ وہ اس کی کبھی بھی افسری کر سکے۔

اس سے ایک دن پہلے ہرات سے خبر پہنچی ہے کہ مسٹر میکینل ایرانی کیمپ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ اور یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ بارہ ہزار روسی سپاہی قلعہ کو فتح کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ رنجیت سنگھ بہت جوش کی حالت میں ہے۔ اور اسی کے متعلق پوچھ گچھ میں مصروف ہیں کہ شہنشاہ روس کے پاس کس قدر فوج کی تعداد ہے۔ اور کیا وہ سپاہی دلیر ہیں۔ اور کیا انگریز اُن کو مغلوب کر سکتے ہیں۔ اور کیا سپاہی اُن پر فتحیاب ہو سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اُن سے کہا کہ فرانسیسی اُن پر بہت دفعہ غالب آچکے ہیں۔ اور ہم نے فرانسیسیوں کو بہت دفعہ شکست دی ہے۔ اس پر کہا اگر وہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کریں تو ایں روئے ستلج کس قدر فوج لا سکتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس حملے کے واسطے پچاس ہزار سے کم تو وہ لا ہی نہیں سکتے۔ غالباً ایک لاکھ فوج بھیجیں۔ پھر کہا کہ اگر وہ واقعی حملہ آور ہوں تو پھر تم کیا کرو۔ میں نے کہا کہ تیس ہزار انگریزی فوج حضور کی ستر ہزار سکھ سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو کر کے روسیوں کو ضرور پسپا کر سکتے ہیں۔ مہاراج نے کہا، واہ واہ یہی ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ آئیں۔ انہوں نے کہا بیشک۔ کیونکہ بڑا تماشہ ہوگا۔ میں نے کہا میری بھی یہی خواہش ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ضرور اُن کو شکست دے

سکتے ہیں۔ کیا ان کے پاس بہت دولت ہے۔ میں نے کہا نہیں بہت کم ہے۔ انہوں نے کہا تو سوائے لڑائی کے اور لوٹ مار کے اُمید نہیں۔ میں نے کہا قطعی نہیں۔ اس پر چند منٹ تک وہ کچھ ترش رُو رہے۔ اور پھر ایک آہ سرد کھینچ کر کہا شاید بہتر تو یہ ہوگا کہ وہ ایسی حالت میں نہ ہی آئیں۔ اس کے بعد اُن کا جوش روسیوں کے حملہ کے متعلق بہت کم ہوگیا۔ میں نے اُن سے ایک یہ بات بھی دریافت کی کہ آیا انہوں نے کبھی رسالہ اور پیدل فوج کو ملا کر بھی کثیر تعداد میں کام لیا ہے۔ اور آیا اُن کو لائٹ انفنٹری کے طریقے پر بھی قواعد سکھلائی جاتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ سر ہنری فین کی ملاقات کے بعد وہ ہمیشہ اپنی پیدل فوج کو اُسی طریقہ پر قواعد سکھلاتے رہے ہیں اور کہا کہ ایک دو دن میں تمہیں بھی دکھلادیں گے۔

۲۹ر جون

آج صبح فقیر عزیز الدین ہمارے ملنے کے لئے آئے۔ اور یہ مژدہ سُنا کر ہمارے دل کو خوش کیا کہ چونکہ مہاراج نے آخر کار عہد نامہ پر بلا زیادہ توقف کے دستخط کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ شملہ کو واپس جانے کی تیاری کر لیں۔ شام کو میں نے اپنے گھوڑوں کو آگے بھیج دیا تاکہ سڑک پر ڈاک بٹھلائی جائے۔ اور چونکہ جگہ جگہ پانی کھڑا ہے اس لئے مجھے امید نہیں کہ ہم اپنے خیمے لے جا سکیں گے۔ اور اس لئے منزل بمنزل جانا بالکل دشوار ہے۔ اور گو موسم خراب ہے اور سڑکیں بھی نہیں ہیں، مگر میں اُمید کرتا ہوں کہ بہت سے گھوڑوں کے ذریعہ سے تین دن میں شملہ پہنچ سکتا ہوں۔ ایک شتر سوار کو بھی یہ پیغام دے کر فوراً شملہ بھیج دیا کہ اب کام عنقریب ختم ہونے والا ہے اور ہم کل مہاراج سے مل کر درخواست کریں گے کہ ہماری رخصتی ملاقات کے لئے جلد کوئی دن مقرر فرما دیں۔ چونکہ برسات شروع ہوگئی ہے، اس لئے مچھر اور ہر قسم کے حشرات الارض باغ میں بکثرت ہوگئے ہیں۔ اور مچھروں کے بھنکنے اور کاٹنے کے سبب اور نیز اس خوف کی وجہ سے کہ مبادا بستروں میں بھی کوئی زہریلا جانور نہ ہو اب اس جگہ رہنا قطعی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ کپتان سٹیورٹ نے آج صبح اپنے کمرے میں دو زہریلے سانپ مارے۔ اور دو سپاہی اپنی جگہ مردہ پائے گئے۔ ان بیچارے سوتے ہوؤں کو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ اُن کے دوست اُس سانپ کو زندہ پکڑ کر میرے پاس لائے اور میں نے دیکھا کہ اُس کی رنگت سبز کاہی تھی اور لمبائی میں قریباً ۱۸ انچ ہوگا۔ اور میری چھوٹی انگلی کے برابر موٹائی میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں آدمی بغیر جاگنے کے آناً فاناً میں مر گئے۔ اور اُن کے

پاؤں کے تلووں پر صرف چھوٹا سا زخم تھا۔

۳۰ جون

جس شتر سوار کو ہم نے کل شام کاغذات دے کر بھیجا تھا اُس نے آج صبح تین بجے آ کر ہم کو جگا دیا۔ ہم نے دیکھا کہ بیچارہ خون آلودہ اور برہنہ حالت میں ہے۔ جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ لاہور سے سات میل کے فاصلے پر اُس کو ایک گروہ اکالیوں کا مل گیا۔ جنہوں نے اس کو پکڑ کر اُس کا اونٹ۔ بندوق اور پستول اور کپڑے اور کاغذات چھین لئے، اور ایک انگلی کاٹ کر اُس سے کہہ دیا کہ جب مرضی ہو واپس چلا جائے۔ ہم نے اس کو مہاراج کے پاس فریاد کرنے کے واسطے بھیج دیا۔ شام کو اس نے آ کر کہا کہ مہاراج نے ایک سو روپیہ اونٹ کی بابت اور ایک سو روپیہ ہتھیار اور کپڑوں کی قیمت اور پچاس روپیہ اُنگلی کا زخمیانہ دیا ہے۔ غرض اس قدر روپیہ لے کر وہ بیچارہ خوشنود ہو گیا۔ رنجیت سنگھ نے کچھ سوار اکالیوں کے تعاقب میں بھیجے ہیں۔ اور اگر اُن میں سے کوئی پکڑا گیا تو اگر دونوں ہاتھ نہیں تو ایک تو ضرور کاٹ دیا جائے گا۔ اور شاید ٹانگ بھی۔ اُن کے احکامات کا عمل فوراً ہی فیصلے کے بعد ہو جاتا ہے۔ اور اُن کی کچہریات میں انصاف کا یہ طریقہ ہے کہ کلہاڑی کی ایک ضرب سے عضو کو کاٹ دیتے ہیں۔ اور پھر اُس کو اُبلتے ہوئے تیل میں خون بند کرنے کے لئے ڈال دیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خود ہی تو مستغیث ہیں اور خود ہی منصف اور پنچایت۔ اس لئے بڑے سے بڑا مقدمہ لاہور میں پانچ منٹ سے زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔

چھ بجے ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہم ایک جنگل کی طرف جو چند میل کے فاصلے پر ہے جنگلی سؤر اور ہرن کا شکار کھیلنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور چونکہ شیر سنگھ سے اس جگہ ملنے کا وعدہ تھا اس لئے وہ بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ ہمارے منتظر کھڑے تھے۔ سکھ لوگ ایک ایسے عجیب طریقے سے جنگلی سؤر کو پکڑتے ہیں جو میں نے کبھی پہلے ہندوستان میں کسی جگہ نہیں دیکھا۔ اور وہ یوں ہے کہ بہت جہاں سؤر کی آمد و رفت ہو وہاں مضبوط پھندے بنا کر لگا دیتے ہیں، اور پھر ان کو گھیر کر اسی طرف لے جاتے ہیں۔ اس جانور کا قاعدہ ہے کہ جب ایک دفعہ اس کو چھیڑا جائے تو پھر یہ کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتا اور آندھی کی طرح سے بھاگتا ہے۔ اور پھندے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور جب یوں لاچار ہو جاتا ہے تو پھر اُس کو تلوار سے کاٹ دیتے ہیں۔ چند گھنٹوں میں ہم نے اس طریقے سے پچیس سؤر پکڑے۔ جب ہم اپنے مکان پر واپس آئے تو معلوم ہوا کہ کل کی خوشخبری صحیح تھی۔ اور اب

اکالی (نہنگ) گھوڑسوار — طوائف الملوکی کا دور

واقعی اُمید ہے کہ ایک ہفتہ تک ہم ضرور شملہ کی جانب روانہ ہو سکیں گے۔

یکم جولائی

آج حسب معمول پریڈ کے میدان کی طرف گیا اور دیکھا کہ مہاراج بھی بموجب عادت اپنی فوج کا ملاحظہ کر رہے ہیں۔ سردار گلاب سنگھ جو کہ اُن کے نہایت لائق اور ہوشیار دیسی افسروں میں سے ہیں۔ پیدل فوج اور رسالہ گھوڑوں کے توپخانے کی کمان کر رہے ہیں اور قواعد کا کام نہایت استقلال اور صحت سے انجام پا رہا ہے۔ رنجیت سنگھ نے مجھے مخاطب کر کے نہایت خصوصیت سے یہ بات دریافت کی کہ آیا ہمارا اور اُن کا طریق قواعد یکساں ہے یا نہیں اور نہایت مصر ہو کر درخواست کی کہ میری سمجھ میں دونوں میں کوئی اختلاف ہے تو میں ظاہر کر دوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے خیال میں صرف ایک غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لڑائی (یعنی سکرمش) کے وقت بذریعہ حکم سپاہیوں کا ایک دفعہ باڑ مارنے کا طریقہ درست نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس طرح سے زیادہ باقاعدہ فائر کرتے ہیں۔ میں نے کہا ہم لوگوں کے خیال میں سکرمش کا فائدہ اس طریق سے زائل ہو جاتا ہے اور ہر ایک سپاہی کو بغیر دوسروں کے انتظار کے نشانہ باندھ کر بندوق چلانی چاہیئے۔ اس پر انہوں نے چند منٹ غور کر کے کہا میرے خیال میں بھی یہ بہتر طریقہ ہوگا اور میں ضرور اس کی آزمائش کروں گا۔ اور دوسرے دن میں نے دیکھا کہ اُن کی پیادہ فوج کے آدمی ویسی ہی خوبی سے اکیلے اکیلے بندوق چلا رہے ہیں جیسے کہ کمپنی کے سپاہی۔ میں نے اُن کو ایک اور غلطی پر بھی توجہ دلائی۔ یعنی یہ کہ رسالہ جو توپخانہ کی محافظت کرتا ہے۔ بجائے عقب کے اس کے دونوں بازوؤں کی طرف ہونا چاہیئے۔ انہوں نے فوراً ہی اُس کی ضرورت دیکھ کر اُسی وقت اُس کی تبدیلی کا حکم دے دیا۔

اُس وقت وہ نہایت ہی خوش دلی کی حالت میں تھے اور ہماری لاہور سے روانگی کا ذکر کر کے کہنے لگے کہ چونکہ برسات کا موسم شروع ہو گیا اس لئے واپسی کا سفر کس طرح کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے جواب دیا کہ منزل بمنزل پالکی میں سفر کرنا بالکل مشکل ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے گھوڑے پر سواری کروں اور اس طرح مجھے یقین ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر میں لودھیانہ پہنچ جاؤں گا۔ اور پھر جب میں اپنے علاقے میں داخل ہو گیا تو پھر شملہ جانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ میری گاڑی موجود ہے۔ اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں اپنے سرداروں کو حکم بھیج دوں گا کہ وہ لودھیانے تک گھوڑوں کی ڈاک کا انتظام کر دیں گے۔

چونکہ میں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اس لئے میں نے ان کی عنایت اور توجہ کا دلی شکریہ ادا کیا۔ اگرچہ گاڑی کو دیکھ کر (جو کہ ایک بہت بڑی پرانی طرز کی انگریزی زنانہ گاڑی ہے) مجھے یقین ہو گیا کہ پہلی ہی منزل میں اس کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ گھوڑوں کا سانہ ایسا تھا کہ شہر سے اپنے کیمپ تک کتنی جگہ ٹھیرا کہ اس کی مرمت کرنے کی ضرورت پڑی۔ علاوہ اس کے گھوڑے جو اس میں لگائے گئے وہ مہاراج کے توپخانے کے ہیں جو شریر اور اڑیل ہیں۔ مگر بہر حال تین سو کوس پالکی میں جانے کی نسبت یہ غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ لودھیانے پہنچنے کے لئے اگر موسم بھی اچھا ہوا ایک ہفتہ سے کم نہ لگے گا۔ چنانچہ میکفرسن نے اور میں نے ارادہ کر لیا کہ پنجاب میں بھی گاڑی کے سفر کی کیفیت دیکھیں۔ اگرچہ کچھ اور تو فائدہ نہیں مگر ایک قسم کا تجربہ تو ہو جائے گا۔

۲ر جولائی

آج طلوع آفتاب سے پہلے شاہدرہ میں جہانگیر کا مشہور مقبرہ دیکھنے کے لئے گئے۔ یہ بڑی عالیشان عمارت ہے جس کے چاروں طرف بلند دلوار ہے۔ اور اس کے اندر کا صحن چھ سو گز مربع ہے۔ اس کی مرمت بخوبی کی جاتی ہے۔ اور اگرچہ آگرہ میں تاج محل کے مقابلے میں کم درجہ کی عمارت ہے۔ لیکن لاہور میں ایک یہ بھی قابل دید چیز ہے۔ جس وقت میں مکان کو واپس آرہا تھا تو مہاراج جو ہوا خوری کو جا رہے تھے مجھ سے ملے۔ اور بڑی تجسس سے دریافت کیا کہ میں کہاں گیا تھا۔ میں نے اُن کو کبھی ایسا خوش دل اور مسرور نہیں دیکھا تھا۔ بہت ہی متفرق گفتگو کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کبھی میری مجلسِ مے خوری میں شامل نہیں ہوئے۔ چونکہ اب گرمی زیادہ ہے اس لئے شراب پینا نقصان دے گا۔ لیکن جس دن بارش ہو گی تو ایک مجلس قائم کریں گے۔ مگر میری یہ دلی خواہش ہے کہ جب تک ہم یہاں ہیں بارش نہ ہو کیونکہ جیسا کچھ میں نے سنا ہے اس قسم کی مجلسوں میں شامل ہونے سے بڑی بے لطفی ہوتی ہے۔ جو شراب کہ خاص اُن کے واسطے تیار ہوتی ہے، اس کو انگوروں سے کشید کیا جاتا ہے۔ اور اس میں موتیوں کا سلایہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں بجز اس بات کے کہ یہ بیش قیمت ہو جائے اس سے اور کوئی منفعت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ صرف انہیں کے واسطے تیار ہوتی ہے۔ اور یہ شراب اور کسی کو میسر نہیں آسکتی۔ خواہ ایک چھوٹی بوتل کے لئے کوئی اشرفی بھی دینے کو آمادہ ہو۔ لیکن وہ خود کبھی کبھی اس کی چند بوتلیں اپنے مقرب اور منظور نظر سرداروں کو عطا فرما دیتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے جلسوں میں وہ اپنے ہاتھ سے ہر ایک کو شراب دیتے ہیں، اس لئے پھر یہ ممکن نہیں کہ کوئی

اعتدال پر قائم رہے۔ چند نہایت حسین کشمیر کی رنڈیاں بھی حاضر ہوتی ہیں جو اہل مجلس کی مدارات میں مشغول رہتی ہیں۔ اور اس طرح سے ہر ایک قسم کا فسق و فجور وہاں ہوتا ہے۔ دو سال کا عرصہ ہوا کہ وہ اس طرح کی ایک ماہ جبیں ساقی پر فریفتہ بھی ہو گئے تھے۔ اور دو تین دن تک اس کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھلا کر شہر اور کیمپ میں پھراتے رہے۔ اور اس کے بعد اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ مگر یہ عمل اُن کا لوگوں کی نظر میں نازیبا معلوم ہوا۔ ان مے خوری کے موقعوں پر کھانے کے لیے نہایت چرب مصالحہ دار بٹیریں ملتی ہیں۔ اور جب ایسی گرم غذا کے بعد پیاس لگتی ہے تو اسی کریہہ عرق سے بجھائی جاتی ہے۔ رنجیت سنگھ ہماری شرابوں پہ مضحکہ اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض ولولہ اور سرور کی غرض سے شراب پیتے ہیں۔ اور جس شراب سے جتنا جلدی نشہ پیدا ہو جائے اُتنی ہی اچھی ہے۔ منجملہ اُن شرابوں کے جو ہم اپنے ساتھ گورنر جنرل کی طرف سے اُن کے واسطے بطور تحفہ لائے تھے۔ یعنی پورٹ کلیرٹ۔ ہوک۔ شیمپین وغیرہ۔ اُن کو صرف وسکی پسند آئی۔ ایسی مجلسوں میں وہ عموماً اپنی جملہ رنڈیوں کے حاضر ہونے کا حکم دیتے ہیں، اور اُن کو زبردستی شراب پلائی جاتی ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ وہ کافی طور پر مخمور ہو گئی ہیں تو پھر اُن کو آپس میں برانگیختہ کر کے لڑوایا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے میں دھول دھپہ اور نوچا نوچی شروع ہوتی ہے، اور تمام زور سے کوئی کسی کی ناک کھینچتی ہے اور کوئی کسی کے کان کی بالیاں۔ اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ خطرناک وارداتیں وقوع میں آتی ہیں۔ رنجیت سنگھ پاس بیٹھے ہوئے نہایت مسرت کی حالت میں اُن کو دلیری دیئے جاتے ہیں، اور اپنے مہمانوں کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ بڑا تماشہ۔ بڑا تماشہ۔

انہوں نے مجھ کو فرمایا کہ ۱۲ تاریخ کا دن اہل مشن کو رخصتی، ملاقات اور خلعت دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور یہ وعدہ بھی فرمایا کہ مشہور الماس یعنی کوہ نور اور اُس کا ہم پلّہ پکھراج اور نیز دیگر جواہرات بھی ہم کو اُسی دن دکھائے جائیں گے۔ اُس وقت کھڑک سنگھ ولی عہد بھی اُن کے ساتھ تھے۔ جس قدر سکھ میری نظر میں سے گزرے ہیں، اُن سے یہ ولی عہد کریہہ منظر اور بدصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ لوگ چرچا کرتے ہیں کہ یہ بزدل ہے مگر مجھے ذاتی تجربہ سے اس کی تصدیق ہوئی۔ کیونکہ میں نے آج اُن کو پہلی ہی دفعہ دیکھا ہے اور میری گفتگو اُن سے خفیف اور معمولی سی ہوئی۔ مگر اُن کی وضع سے بھدا پن اور ضد ترشح ہوتی تھی۔ اور پنجاب میں اُن کو وقعت و عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

۳-۴-۵-۶ر جولائی

بارش ایسی لگاتار اور شدّت سے ہوئی ہے کہ باہر نکلنا دشوار ہے - ہماری نہایت ہی خوش قسمتی سمجھنی چاہیئے کہ مہاراج کے طبیب نے اُن کو مے خواری کا جلسہ کرنے سے روک دیا - اس لئے ہم کو بھی اُس قبیح عمل سے نجات مل گئی - اگرچہ مہاراجہ کی منشاء کے خلاف تھا - اور انہوں نے اس خیال کا اظہار بھی فرمایا کہ ہم اپنی روانگی کو چند دن کے لئے ملتوی کر دیں تاکہ وہ اس وقت تک صحت یاب ہو کر اپنے مذاق کے موافق عیاشی میں مشغول ہوں - مگر ہم اس پر بہت معترض ہوئے اور بڑی دِقّت سے اُن کو مقررشدہ تاریخ پر رخصت کرنے کے لئے قائم رکھا -

۸ر جولائی

کل تمام دن ایسی بارش ہوتی رہی کہ میں حسب وعدہ مہاراج کو ملنے کے لئے نہ جا سکا - اس لئے بحالت مجبوری میں نے عذر کر بھیجا - آج صبح بارش چند گھنٹوں کے لئے تھم گئی - میں نے دیکھا کہ طلوع آفتاب کے بعد ہی مہاراج ہیرا سنگھ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہمارے خیموں کے متصل پھر رہے ہیں - میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ باوجودیکہ جو خبر پشاور سے رات کو آئی ہے، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس جگہ کام بگڑ رہا ہے - اُس کے خلاف یہ بشاش معلوم ہوتے ہیں - اُن کے پرانے دشمن دوست محمد خاں نے اپنی افغانی فوج کے ساتھ سکھ فوج پر جن کے جرنیل رنجیت سنگھ مشہور سرداروں میں سے ایک تھے حملہ کر کے شکست فاش دی اور پانچسو سے زیادہ سپاہی قتل اور گرفتار کر لئے ہیں -

مہاراج نے اس شکست کو بڑے حوصلہ سے برداشت کیا ہے - میں نے جرأت کر کے سوالات اُن پر کئے - جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ خفیف سی شکست کبھی کبھی اچھی ہوتی ہے - کیونکہ افسروں اور سپاہیوں کو آئندہ کے لئے احتیاط اور دوراندیشی کا تجربہ ہو جاتا ہے - انہوں نے ہندوستان کے مختلف اقوام کی بہادری اور سپاہیانہ لیاقت کے متعلق سوالات کر کے فرمایا کہ اُن کے خیال میں سکھ مشرق میں سب سے زیادہ بہادر ہیں - کیا آپ کے خیال میں مَیں صحیح نہیں کہتا؟ میں نے کہا بالکل نہیں - کیونکہ اگر وہ ایسی بہادر قوم ہوتی جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ آپ نے اپنی آغاز حکومت میں ایسی آسانی سے اور تمام سکھ سرداروں کو مغلوب کر کے تھوڑی سی فوج کی اکثریت کے ساتھ اُن کو اپنے حلقہ اطاعت میں کر لیا۔" ہاں یہ

میری قسمت کی بات ہے۔ میری پیشانی پر ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔ اور اس کا ظہور ہونا ضرور تھا۔ مجھے اپنی قواعد دان فوج کے سبب سے بھی اور ہمعصروں پر برتری ہو گئی۔" اس پر میں نے ہنس کر سر جُھکا لیا۔ کیونکہ اُس وقت یعنی ان کے ابتدائی زمانہ میں صرف بارہ سو آدمی کی جمعیت ان کے پاس تھی۔ جو پنجاب بھر میں نہایت بے قاعدہ اور نا تربیت یافتہ تھی۔

اُنہوں نے فرمایا "کیا آپ کو اپنی یورپین فوج کے انتظام میں بہ نسبت انگلستان کے یہاں زیادہ تکلیف ہوئی ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہم جہاں کہیں ہوں، ہمارا انتظام ایک ہی جیسا رہتا ہے۔ اور ہوشیار افسروں کی موجودگی میں تبدیل آب وہوا اور ملک، فوج کے انتظام اور اُس کی قابلیت میں کچھ تفاوت پیدا نہیں کرتی۔"

"درست ہے مجھے اپنی فوج کے ساتھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر ایک رجمنٹ ایسی ہے کہ اس کو میں سنبھال نہیں سکتا۔" اور ہنس کر فرمانے لگے۔ "وہ مجھ کو اور تمام فوج کے مقابلے میں بہت زیادہ آزار دیتی ہے۔ اور وہ عورتوں کی فوج ہے۔ تم انگلستان میں اُن کو کس طرح مطیع رکھتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ہمارے ہاں عورتوں کی ایسی فوج بند نہیں ہوتی۔"

فرمایا۔ "مجھے اُمید ہے کہ لارڈ آکلنڈ اُن کا انتظام اچھا پائیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ اُن کے دیکھنے کے مشتاق بھی ہوں گے۔"

میں نے کہا۔ "بلا شبہ۔"

اس پر فرمایا۔ "نئے بھرتی کئے ہوئے رنگروٹ میرے پاس کشمیر سے آ رہے ہیں۔ اور وہ نہایت حسین ہیں۔ لارڈ آکلنڈ کے آنے سے پہلے وہ بہت آراستہ ہو جائیں گے۔ مگر اُن کا سنبھالنا نہایت دشوار ہے۔"

میں نے کہا۔ "اگر حضور اُن کے افسروں کو اور نیز جدید رنگروٹوں کو جو آنے والے ہیں مجھے اپنے ساتھ شملہ لے جانے کی اجازت فرما دیں تو شاید میں لارڈ آکلنڈ کے آنے سے پہلے اُن کو قواعد کے ذریعہ سدھار سکوں۔"

فرمایا۔ "کیا آپ ان کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "مجھے از حد اشتیاق ہے۔"

فرمایا۔" نہیں میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور علاوہ اس کے میں نے ابھی اُن کو دیکھا بھی نہیں "۔

میں نے جواب دیا " اگر اُن کو اسی جگہ رکھا تو حضور دیکھیں گے کہ وہ بھی پہلی فوج کے ساتھ مل کر بگڑ جائیں گے۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ اُن کو میرے سپرد کیا جائے "۔

فرمایا۔" کیا تمہاری واقعی یہی رائے ہے ؟ خیر میں اس پر غور کروں گا۔ کیا لارڈ آکلنڈ کی شادی ہو گئی ہے ؟"

میں نے جواب دیا " نہیں "۔

فرمایا۔" کیا اُن کے پاس بالکل کوئی بی بی نہیں ہے "۔

میں نے کہا۔" قطعی نہیں "۔

فرمایا۔" وہ شادی کیوں نہیں کراتے "؟

" مجھے معلوم نہیں "۔

" تم شادی کیوں نہیں کرتے "؟

" میری اتنی استطاعت نہیں ہے "۔

" کیا وجہ ؟ کیا انگریز عورتیں اتنی گراں ہیں "؟

میں نے کہا " بہت ہیں "۔

پھر فرمایا " کچھ عرصہ ہوا کہ مجھے بھی ایک انگریزی عورت کی خواہش تھی۔ اور گورنمنٹ کو اس کی بابت لکھا بھی تھا۔ لیکن انہوں نے میرے واسطے کوئی نہ بھیجی "۔

میں نے جواب دیا " ہندوستان میں حضور کے لائق کوئی انگریز عورت ملنی بہت دشوار ہے "۔

فرمایا " کیا انگلستان میں مل سکتی ہے "۔

میں نے کہا " بہت "۔

فرمایا " آہ! مجھے اُس کی بڑی آرزو ہے "۔

میں نے اُن سے کہا کہ تو عمر ہیرا سنگھ کو ولایت بھیج دیں تاکہ ان کی تلاش کر کے لے آوے۔ مگر انہوں نے اُس پر اعتماد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگرچہ میں نے سُنا ہے کہ وہ زنان خانہ میں بھی اُن کے عیش میں شریک ہوتا ہے۔ اور کچھ عرصہ کی بات ہے کہ اُس نے ایک عورت کو جو کہ منظور نظر تھی ورغلا

کر نکال لیا تھا۔ رنجیت سنگھ کو یا تو اس کا علم ہی نہیں ہوا۔ یا وہ دانستہ خاموش ہوگیا۔ کیونکہ اگرچہ اُس وقت اس بات کا بہت چرچا رہا۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ مگر ہیرا سنگھ کی اپنے باپ کے ساتھ اسی امر پر لڑائی ضرور ہو گئی تھی۔

۹ر جولائی

بارش شدت سے لگاتار ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ باہر بھی نہیں نکل سکتے۔ اور گرمی حبس کے سبب سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسی ہی حالت ایک ہفتہ اور رہی تو خدا جانے ہمارا اسباب اور فوج ہمراہی کب جا سکیں گے۔ خیمے بھیگ کر ایسے بھاری ہو گئے ہیں کہ اگر دو چند ہاتھی بھی لگائے جائیں تو بھی اُن کو لے جانا ناممکن ہے۔ اور وہ راستہ جو ہمیں پالکیوں میں طے کرنا ہے بہت مشکل کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ پہاڑ پر سے بڑی سخت پانی کی آمد ہے۔ اس لئے ستلج اور راوی اس وقت بھی عبور نہیں کئے جا سکتے۔ غرضکہ ہر ایک بات ایسی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو نہایت تکلیف ہوگی۔

۱۰ر جولائی

آج موسم کچھ اچھا نظر آتا ہے اور ہم کو اُمید ہے کہ اگر یہی حالت اڑتالیس گھنٹے تک رہی تو اپنے چند آدمیوں کو آگے بھیج سکیں گے۔ رنجیت سنگھ نے ہم کو کہلا بھیجا ہے کہ پانچ منزل تک انہوں نے گھوڑوں کی ڈاک بٹھائے جانے کا حکم دے دیا ہے۔ اور اس سے آگے لودھیانہ تک ان کے سردار بندوبست کر دیں گے۔

۱۱ر جولائی

بارش پھر ویسے ہی لگاتار اور زور سے ہو رہی ہے۔ چونکہ آدھے نوکر اور پالکی وغیرہ تو ہم نے کل آگے روانہ کر دی تھی۔ اس لئے خواہ کیسا ہی موسم ہو ہم ضرور کل کو روانہ ہو جائیں گے۔

۱۳ر جولائی

طلوع آفتاب کے بعد ہی سردار اجیت سنگھ کیمپ میں اس لئے آئے کہ ہم کو روانگی کی اجازت دیں اور شہر میں لے جائیں۔ جہاں کہ مہاراج ہم کو معمولی خلعت دینے اور رخصت کرنے کے لئے دربار عام فرما رہے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ مہاراج سنگ مرمر کے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اور ان کے جملہ سرداران ان کے پاس موجود ہیں۔ آدھ گھنٹے تک تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد میں نے اُن کو یاد دلایا کہ انہوں نے کوہ نور کے دکھلانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس پر

انھوں نے فوراً اس کے لانے کا حکم دیا۔ یہ الماس واقعی نہایت بیش بہا ہے۔ طول میں ڈیڑھ انچ اور موٹائی میں ایک انچ سے زیادہ ہے۔ اور شکل میں انڈے کی طرح ہے۔ اور یہ ہیرا ایک بازو بند میں نصب ہے۔ جس کے اردگرد دو اور نہایت خوبصورت ہیرے جڑے ہوئے ہیں جو قد اور پیمانہ میں اس سے نصف ہیں۔ اس کی قیمت کا اندازہ تیس لاکھ اشرفی کیا گیا ہے۔ اور بہت چمکیلا اور بے داغ ہے۔ رنجیت سنگھ نے بڑے شوق سے یہ دریافت کیا کہ "انگلستان میں اس کی قیمت کس قدر ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی دریافت کیا کہ پہلے ایسا نایاب ہیرا میری نظر سے کبھی گزرا ہے"۔ میرے خیال میں ان کے موتیوں کا کنٹھا اس ہیرے سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کنٹھے میں قریباً تین سو موتی ہوں گے۔ جو پتھر کی چھوٹی چھوٹی گولیوں کے برابر قد میں ہیں۔ اور نہایت چیدہ اور گول ہیں اور شکل اور رنگ میں لاثانی ہیں۔ اس کے بعد وہ تحائف جو مہاراج کی طرف سے افسرانِ مشن کو دینے تھے، لائے گئے۔ اور اُن کو مہاراج نے اپنے ہاتھ سے عنایت کیا۔ ان میں سے جو مجھے ملے اُن میں ایک تو موتیوں کا کنٹھا اور ایک ہیروں کی جیغہ۔ چھ جوڑا دوشالہ اور اور چند زرد وزریشمی تھان، اور ایک جوڑی الماس کے بازو بند کی۔ ایک قبضہ شمشیر۔ ایک گھوڑا مع طلائی ساز و سامان کے۔ اور دوسرے افسروں کو بھی اسی نسبت سے ہمارے ہمراہیوں کو بارہ سو روپیہ نقد دیا گیا۔ اور اسی قدر ہمارے رنج کے ملازموں کو۔[1] اس کے بعد مہاراج سے ہم سب بغلگیر ہوئے۔ اور ہماری صحت و سلامتی کے کلمات زبان سے فرما کر اپنے محل میں تشریف لے گئے۔ کیپر میکسن اور میں لودھیانہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مگر گاڑی اور گھوڑوں کو دیکھ کر ہمیں بالکل یقین ہو گیا کہ اگر ہم پہلی ہی منزل خیریت سے طے کر لیں، تو خوش قسمتی سمجھنی چاہیئے۔ مگر اب بجز اس کے کہ سوار ہو کر روانہ ہو جائیں اور کیا چارہ تھا۔ یہ گاڑی بہت بوسیدہ معلوم ہوتی تھی، اور گھوڑے بھی بالکل چلنے سے جی چراتے تھے۔ جس سے ہماری امیدیں ٹوٹ گئیں۔ تاہم گھوڑوں کے بہت سے دولتے مارنے کے بعد رسیوں کے ساز کو کئی دفعہ گانٹھ کر ہم روانہ ہوئے اور ضرورت کے واسطے ہمارے ساتھ چار گھوڑے فالتو کر دیئے گئے۔ اور یہ بڑی خوش قسمتی کی بات تھی۔ کیونکہ آدھی منزل میں پہلے گھوڑے بالکل بیکار ہو گئے۔ اور ہم نے دس میل چھ گھنٹے میں طے کئے۔ چاروں طرف جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ اور بہت سی جگہ بگھی کے پہیوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا۔ بگھی کے

---

۱ - یہ جملہ اشیاء آنریبل کمپنی کے خزانہ میں داخل کی گئیں اور یہ عمل ہم کو بھی اور مہاراج کو بھی بہت شاق گزرا۔

دونوں دروازے قبضوں سے صاف علیحدہ ہو کر رخصت ہوئے۔ غرضکہ ہم اپنی پہلی منزل پر خدا خدا کر کے پہنچ گئے۔ اور یہ دیکھ کر ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ کہ شیر سنگھ کی انگریزی گاڑی ہمارے واسطے وہاں موجود تھی۔ اور اس میں بیٹھ کر ہم دو گھنٹے میں پندرہ میل طے کر کے امرتسر پہنچ گئے۔ یہاں ہم کو نئے گھوڑوں کی جوڑی دی گئی۔ اور رات کے گیارہ بجے راوی کے کناروں پر جا پہنچے۔ اور اس طرح اپنے سفر کے پچاس میل طے کر لئے۔ راوی کو کھلی کشتی میں عبور کیا۔ اور چونکہ دریا کی دھار زوروں پر تھی، اور کشتی پر بہت سے آدمی سوار تھے (تیس سوار مہاراج کے رسالہ کے جو اردلی میں ہمارے ساتھ تھے) اِس لئے کسی قدر خطرناک حالت تھی۔ اگرچہ دھار کی روانی ہماری کشتی کو تیز رفتار سے لئے جا رہی تھی۔ اور اسی وجہ سے ہم گھاٹ مقررہ سے چند میل دور جا کر پڑے، مگر تاہم خیریت رہی۔ دوسرے دن علی الصباح ہم لودھیانہ میں داخل ہوئے۔ اور حاضری کھانے کے بعد میں شملہ کو روانہ ہوا۔ جہاں میں اڑتالیس گھنٹہ میں بلا کسی تکلیف کے پہنچ گیا۔

○

تتمّہ

جو مشن گورنر جنرل کی طرف سے لاہور میں بھیجی گئی تھی وہ اپنے مدّعا میں کامیاب ہوئی اور شاہ شجاع کی دوبارہ تخت نشینی کے بارہ میں رنجیت سنگھ کا اتفاق رائے اور نیز اُن کی امداد بوقت ضرورت حاصل ہوگئی۔ تو مسٹر میگناٹن لودھیانہ اس غرض سے گئے تاکہ شاہ کو جو عہد نامہ لکھا گیا تھا۔ سُنا دیا جائے۔ اور اُن کی قسمت میں جو انقلاب پیدا ہوا تھا اس کا بھی اعلان کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سفارت اس دعویدار کی وجیہ صورت کو دیکھ کر مرعوب ہوئی۔ اور خاص کر اُس کی سیاہ ڈاڑھی جو کمر تک پہنچی ہوئی تھی ملکی رواج کے موافق اُس کی وقار و تمکنت ثابت کر رہی تھی۔ بیس سال انہوں نے کنج تنہائی میں بسر کئے۔ اور اگرچہ دنیا تو ان کو بھول چکی تھی۔ مگر انہوں نے اس کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اور چھ سو بیویوں کے حلقے میں بیٹھ کر اپنی سلطنت کے گم ہو جانے کی تلافی کرتے تھے۔ لیکن ہمیشہ افغانستان کے پہاڑوں اور وادیوں کو یاد کر کے آہِ سرد کھینچتے تھے۔ اور صبر سے اس بات کے منتظر تھے کہ شاید قسمت پھر ان کو تخت سلطنت پر بٹھلائے۔

اس کے بعد تیاری بہت عجلت سے ہوتی رہی۔ شاہ نے جو فوج تیار کی تھی، وہ برائے نام انگریزی فوج کے ساتھ شامل کی گئی، اور تین مہینہ کے اندر اس مہم نے عملی کارروائی شروع کر دی۔

اس اثناء میں گورنر جنرل اور رنجیت سنگھ کے باہمی ملاقات کا سوال بھی طے ہوگیا۔ اور ۳۰ نومبر کو بمقام فیروز پور ملاقات ہوئی۔ باوجودیکہ مہاراج صحت کے سبب سے بہت کمزور تھے۔ اور تھوڑا عرصہ پہلے ایک سخت اور خطرناک مرض میں مبتلا رہ چکے تھے۔ تاہم اس موقع پر انہوں نے اپنی مسلّمہ سمجھ اور دانائی کا اظہار کیا۔ مختلف قسم کی اور خوبصورت فوجی تزک و احتشام اور شاہی جلوس کی ایسی نمائش اس موقع ملاقات پر کی گئی۔ کہ اہل یورپ کو اُس کے دیکھنے سے بے حد حیرت اور خوشی طاری ہوئی۔ اور گورنر جنرل کی اس آرائشی نمود و اظہار شان و شکوہ کے

محمد حسن وکیل شاہ شجاع

باعث اور نیز اس وجہ سے کہ رنجیت سنگھ نے بھی اُن کی اعزاز و توقیر میں بہت سی نمائشیں کیں انگریزوں کو اس امر کا دلی اطمینان ہوا کہ ایک تو ہماری قومی شوکت و تمکنت ظہور میں آئی۔ دوسرے یہ کہ اُن کی طاقت کا نقش فریق ثانی پر ہو گیا۔ انسان کے مختلف مدارج میں شاید سب سے زیادہ اعلیٰ اور ذیشان اور ساتھ ہی عجیب عہدہ ہندوستان کے گورنر جنرل کا ہے۔ ولایت میں تو یہ ایک معمولی شریف آدمی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ایک کمپنی کے ملازم ہیں۔ لیکن اپنی عہد حکومت کے قلیل زمانے میں وہ دنیا میں سب سے بڑی سلطنت کے نامزد حکمران ہیں۔ اور دس کروڑ بنی نوع انسان ان کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ علاوہ اس کے تمام ماتحت بادشاہ اور شہزادے ان کے آگے نہایت ادب اور خوف سے سرنگوں ہوتے ہیں۔ تاریخ میں بھی کوئی نظیر اس رُتبہ کی مشابہ نہیں ملتی۔ البتہ ابتدائی شاہان روما جبکہ وہ اپنی سلطنت کے ناموروں میں ہوتے تھے شاید اس کی تمثیل بن سکیں۔ اُن کو بھی سلطنت جمہوری کے بہت سے اختیارات کا فخر حاصل تھا۔ اور اگرچہ قبل از انتخاب تو ان کو اپنے ہمسفروں میں کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ لیکن بحالت عرُوج اپنے اہل ملک پر بے انتہا اقتدار رکھتے تھے۔

ایک ایسے ملک میں جس جگہ مختلف قسم کی قومیں آباد ہوں اور اُس کے مذاہب اور زبانیں بھی ایک دوسرے سے جدا گانہ۔ اُن کا عمدگی سے انتظام بجز اس طریقہ کے اور طرح پر نہیں ہو سکتا۔ انگریز حکمران چاہتے ہیں کہ اُن کی آزادی کی تلافی میں جس سے انہیں محروم کیا گیا ہے۔ تہذیب اور شائستگی ان میں پھیلائی جائے۔ لیکن ان کا تکبّر و تعصب جو عموماً ان کے مزاجوں پر موثر ہے اس ادارہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ اصلاح کنندگان اور مدبران ملکی کے لئے انتظام اور امن و آسائش قائم کرنے کا یہ ایک بڑا نایاب اور بیش قیمت موقع موجود ہے۔ اگرچہ انتظام ملکی کے اصول نہایت صحت سے قائم کئے گئے ہیں تاکہ اُن کے استعمال میں کوئی تزلزل یا غلط فہمی واقع نہ ہو اور سخت قواعد اس غرض سے مرتب کئے گئے ہیں کہ حکمراں قوم کو ظلم اور دست درازی کی گنجائش نہ رہے تاہم افسران کو اس قدر آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر سلطنت کے جلیل القدر عہدوں کے فرائض بغیر رُکاوٹ یا مداخلت کے انجام دے سکیں۔ ہندوستان میں مفید اصولوں پر انتظام کرنے کے لئے ایسے لائق اور تجربہ کار عہدہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو ایسے مدرسے کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں جہاں پر رحم دلی اور انصاف آزادی اور امن کی تعلیم ملتی ہے۔ اور نیز اُن کو وہ سیری بھی حاصل نہیں ہوتی جو دیہ

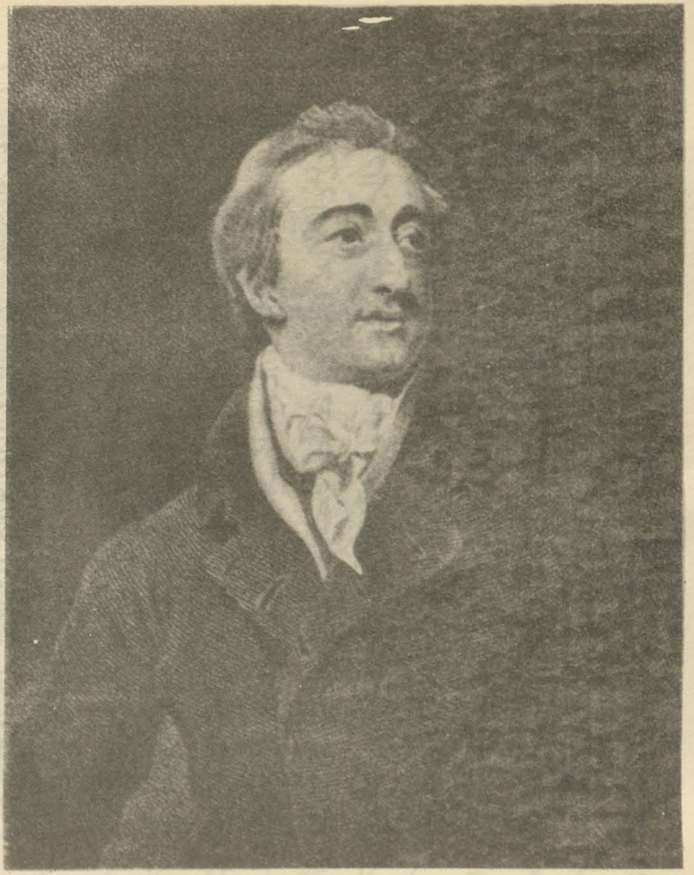

لارڈ ولیم بینٹنک گورنر جنرل ہندوستان (۱۸۲۸ء - ۱۸۳۵ء)

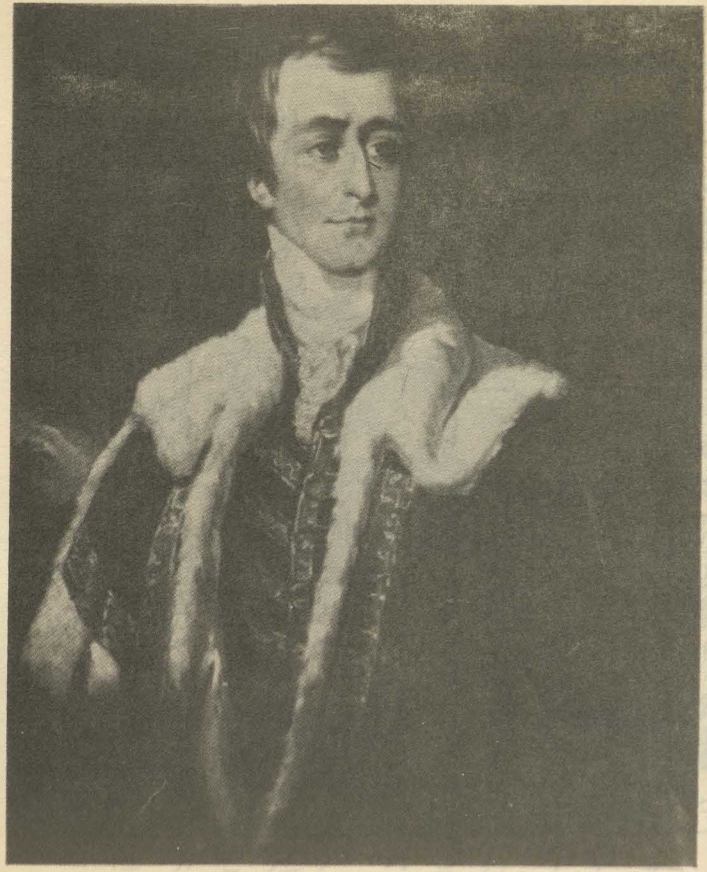

لارڈ آک لینڈ - گورنر جنرل ہندوستان (۱۸۳۶ء - ۱۸۴۲ء)

تک حکمرانی سے ہو جاتی ہے۔ ہر ایک تحریک جو کہ ایک عالی حوصلہ آدمی کو خلائق کی بہتری کے لئے محرک ہو سکتی ہے، اُن گورنروں کو جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اس امر کی ترغیب دلاتی ہے کہ اپنے عہدِ حکومت کو رعایا کی بہبودی کے بڑھانے سے فضیلت اور رونق دیں۔ یہ خواہش سابق اور موجودہ گورنران یعنی لارڈ ولیم بنٹنگ اور لارڈ آکلنڈ کو رہی تھی۔ یہ دونوں افسر اپنے مذاق کی سادگی میں باہم بہت مشابہ ہیں، اور وہ اوصاف سیرت اور فہم بھی جس سے دوسرے لوگ گرویدہ ہو جائیں ان دونوں میں موجود ہیں۔ اور اُن کی اوقات اور ہمتیں اپنے جلیل القدر عہدہ کے فرائض منصبی کو انجام دینے میں صرف ہوتی ہیں۔

لارڈ ولیم بنٹنگ نے تو ان سخت ضرورتوں کی پیروی میں جو اس عہدہ میں اُن کو پیش آئی تھیں اپنی اُس ہر دلعزیزی کی بھی پرواہ نہ کی جو اُن کو سپاہ انگریزی کے ساتھ حاصل تھی۔

فیروزپور کی تقریب ملاقات میں لارڈ آکلنڈ ایک ہندوستانی امیر کے جلوسی شان سے زربفتی فرش کے میدان پر برآمد ہوئے۔ اور اگرچہ وائسرائے کے سٹاف کی وردیاں سکھ سرداروں کی زرہ وجواہرات کے سامنے مدھم ہو گئیں مگر گورنر جنرل اپنی بے حد جلو اور پندرہ ہزار اردلی کی فوج کے ساتھ پنجاب کے حکمران کے ہمسر معلوم ہوتے تھے۔ علاوہ رسمی ملاقاتوں کے سب سے بڑھ کر دو قابل دید نظارہ تھے۔ ایک تو فیروزپور کی بڑی مسجد پر روشنی کا ہونا۔ اور دوسرے ہر دو افواج کی فوجوں کی قواعد اور اُن کا ملاحظہ۔ جس میں رنجیت سنگھ کے باڈی گارڈ کا جلوس سب پر غالب آ گیا تھا۔ جو دو رویہ قطار میں استادہ کیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل مع اپنے سٹاف کے اُن کے درمیان سے گزرے۔ ایک ٹرپ کی وردی تو یہ تھی کہ زرد ریشم کے کپڑے اور سنہری پگڑی اور دوشالے پہنے ہوئے تھے۔ اور دوسری ترپ کے سُرخ ارغوانی یا زرد رنگ کے زربفتی کپڑے تھے۔ اور وہ طلائی اسلحہ سے مزین تھے۔ اُن کی لنبی لنبی ڈاڑھیاں تا بہ کمر تھیں۔ اور اُن کے سروں پر سفید یا سنہری طلائی پگڑیاں تھیں۔ جن کا ایک کنارہ ڈاڑھی کو گرد سے محفوظ رکھنے کے لئے گرایا ہوا تھا۔

مسٹر آسبرن کی مفصلہ ذیل چٹھی سے جو اُنہوں نے بمقام لاہور گورنر جنرل اور مہاراج کی ملاقات کے وقت دسمبر ۱۸۳۸ء میں لکھی تھی، واضح ہو گا کہ رنجیت سنگھ کے خیالات انگریزوں کی نسبت کیسے دوستانہ تھے۔

کیمپ گورنر جنرل لاہور ۳ جنوری ۱۸۳۹ء

ہم یہاں سے اپنے مقبوضہ ملک کی طرف کل کو روانہ ہوں گے۔ رنجیت سنگھ سے ہم کل رخصت ہو چکے ہیں۔ ان کی طبیعت بہت ناساز رہی ہے۔ لیکن اب افاقہ ہے۔ اس بات کا لوگوں میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اب جانبر نہ ہوں گے۔ اور اگرچہ پہلے سے طبیعت کسی قدر اچھی ہے مگر زیادہ دیر تک زندہ رہنے کی اُمید نہیں۔ یہاں سے ہمارا قصد دہلی جانے کا ہے۔ اور پھر اُمید ہے کہ مارچ تک شملہ پہنچ جائیں گے۔ ہماری افواج انڈس افغانستان کی جانب جا رہی ہیں۔ وہ نظارہ اور جلوس جو ہم نے اپنے قیام میں یہاں دیکھے ہیں۔ نہایت پُر تجمل و شوکت تھے۔ رنجیت سنگھ نے ہماری مہمانداری نہایت کشادہ دلی سے کی ہے۔ ہمارے کیمپ میں کسی شخص کو بھی کوئی چیز خریدنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہفتہ میں ایک دفعہ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے فہرست میں لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ مہاراج اپنے صرف سے خرید کر مہیّا کر دیتے ہیں۔ اس کا خرچ پچیس ہزار روپیہ یومیہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ ستلج کے دوسرے کنارہ پر پہنچنے کے وقت تک ہمارا قیام ایک مہینہ سے زیادہ ہو گا۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ ہماری ملاقات کے سبب سے صرف کثیر ہو گا۔ علاوہ دیگر اظہار اتحاد کے اُنہوں نے ایک دن خود ہم کو ساتھ لے جا کر امرت سر کا مشہور گوبند گڑھ قلعہ دکھلایا۔ چونکہ کسی اہلِ یورپ کو اور نیز سوائے اُن کے چند متعدد سرداروں کے کسی کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اس واسطے ہمارا خیال تھا کہ ہمیں بھی صرف باہر سے دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ لیکن ہم کو اس سے بڑی حیرانی ہوئی کہ جب اُس کے چاروں طرف پھر کر ہم آخری دروازہ کے مقابل پہنچے تو انہوں نے اُس کے کھولنے کا حکم دیا۔ اور اُن کے اپنے آدمی بھی یہ دیکھ کر متعجب ہوئے کہ انہوں نے ہم کو اندر لیجا کر تمام قلعہ کو دکھلایا۔ اور جس عمارت میں اُن کے خزانہ کے صندوق ہیں۔ وہ بھی ہم نے دیکھے۔ ایک کروڑ ۲۰ لاکھ اشرفی اس خزانہ میں جمع ہے۔ جب میں آنے لگا تو انہوں نے مجھ کو کئی بیش قیمت

تحفے دیئے۔ مگر اُن میں سے سوائے رنجیت سنگھ کے فوجی تمغہ کے مجھے اور کسی چیز کے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس تمغہ کا نام "رنجیت سٹار آف دی پنجاب" ہے۔ اور مجھ کو اس کا نائٹ بنایا گیا ہے۔ اور رنجیت سنگھ نے اپنے ہاتھ سے یہ تمغہ عطا فرمایا ہے۔ اس نشان کے وسط میں ان کی تصویر ہے۔ اور چاروں طرف ہیرے اور میناکاری کا کام ہے۔ انہوں نے مجھ کو اس کے علاوہ ایک زرہ تلوار بندوق اور تیر وکمان بھی دیئے۔ ان سب اشیاء پر سنہری کام ہے۔ مگر مجھ کو مجبوراً کمپنی کے حوالہ کرنی پڑیں۔ جتنے عرصہ تک گورنر جنرل یہاں مقیم رہے۔ رنجیت سنگھ نہایت فراخ حوصلگی اور اتحاد کا اظہار فرماتے رہے۔ میں دہلی سے پھر آپ کو لکھوں گا۔ مگر مجھے خوف ہے کہ مہاراج کے انتقال کی خبر شائد جلدی ہی دینی پڑے گی۔

مہاراج کی صحت کی بابت جو اندیشے کیئے جاتے تھے وہ بہت جلد اس سانحہ کے وقوع پذیر ہونے سے صحیح ثابت ہوئے۔ ان کی خطرناک بے اعتدالیوں نے اُن کی جسمانی طاقت کو قطعی زائل کر دیا تھا۔ اور شروع جولائی ۱۸۳۹ء میں اُن کے درباریوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اُن کی موت میں زیادہ عرصہ باقی نہیں رہا۔ مگر لوگوں کو اُن سے ایسا سچا اُنس تھا اور ہر خاص و عام اُن کی ایسی عزت کرتے تھے کہ آخر وقت تک اُن کے احکامات کی پوری تعمیل ہوتی رہی اور جس وقت ان کی زبان بند ہو گئی تو وہ اشاروں سے حکم دیتے رہے۔ جولائی کے شروع ہی میں انہوں نے حکم دیا تھا کہ اُن کا لڑکا کھڑک سنگھ دربار کر کے مقدمات فیصل کیا کرے، اور دھیان سنگھ وزیر اعظم کو یہ ہدایت ہوئی کہ کھڑک سنگھ کی شراکت میں امور سلطنت کو انجام دیا کرے۔ فقیر عزیز الدین (جو رنجیت سنگھ کے تمام وزیروں میں سے بڑے معتبر اور مزاج میں دخیل تھے) کے عرض کرنے پر دھیان سنگھ کو وزارت کا خطاب دیا گیا۔ اور اس سے جملہ اراکین کو مطلع کیا گیا اور جو خطاب دھیان سنگھ کو دیا گیا وہ مفصلہ ذیل ہے۔ نائب السلطنت ہی خواہ دولت رکن الملک وزیر اعظم کامل الاختیار ناظم راجہ دھیان سنگھ بہادر۔

۲۰ر جولائی کی شب کو مہاراج کا مرض ترقی کر گیا۔ چنانچہ وزراء اور جملہ مصاحبان کو از حد تشویش پیدا ہو گئی۔ ان سب نے متفق ہو کر اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ چونکہ مہاراج کی حالت مایوسی کی ہو چکی ہے۔ اس لیئے اگلے دن اعلان کیا جائے کہ کھڑک سنگھ ولیعہد حکمراں ہو گئے ہیں۔ اور دھیان سنگھ ان کے وزیر مقرر ہوئے۔ چنانچہ اگلی صبح کو کھڑک سنگھ اور دھیان سنگھ نے پریڈ کے میدان پر جا کر جملہ افسران فوج سے نذریں لیکر پھر اعلان کر دیا کہ مہاراج نے کھڑک سنگھ کو

گدی پر بٹھلا دیا۔ اور دھیان سنگھ کو وزیر نامزد کیا ہے۔

۲۲ کی رات کو مہاراج شدت کے بخار میں مبتلا ہوئے مگر شام کے قریب کچھ سنبھل گئے۔ اور اپنے اراکین کی حاضری میں اس منشاء کا اظہار کیا کہ کھڑک سنگھ اور دھیان سنگھ امورِ سلطنت کو انجام دیں۔

۲۳ کی رات کو مہاراج کی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ قریب المرگ ہو گئے۔ چنانچہ اُن کو زمین پر اتار لیا گیا۔ کیونکہ ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی اعتقاد کے بموجب زمین پر مرنا اچھا سمجھا جاتا ہے۔

۲۷ تاریخ نزع کی حالت میں رہ کر انتقال کیا۔ اُن کے جسم کی طاقت بتدریج زائل ہوتی گئی حتیٰ کہ بولنے سے بھی مجبور ہو گئے۔ اور ٹانگوں کی حس و حرکت جاتی رہی۔ مگر دماغی اور قلبی حالت آخر وقت تک ویسی ہی رہی اُن کے اپنے منشاء کے بموجب کھڑک سنگھ بلا کسی مخالفت کے اُن کے جانشین ہو گئے۔

مسٹر آنریبل ڈبلیو آسبرن صاحب کی چٹھی کا انتخاب جس میں انہوں نے مہاراج کی ارتھی کے رسومات کا حال لکھا ہے۔

شملہ ۱۲ جولائی ۱۸۳۹ء — بیچارہ رنجیت سنگھ تو مر گیا۔ اُس کی زندگی شیر کی طرح گزری اور مرنے کے وقت بھی وہ شیر ہی رہا۔ اُس کے ہوش و حواس دم مرگ تک قائم رہے۔ اور کسی دوسرے دیسی رئیس حکمراں کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ رنجیت سنگھ کے اراکین سلطنت اُس کے احکام کی تعمیل اور اس کی اطاعت دمِ واپسیں تک کرتے رہے۔ اور یہ پڑھ کر تم کو ظاہر ہو جائے گا کہ مہاراج نے اُن کی آزمائش بھی بہت کی۔ اپنے مرنے سے دو گھنٹے پہلے حکم دیا کہ اُن کے تمام جواہرات لائے جائیں۔ چنانچہ مشہور الماس یعنی کوہ نور جو دنیا میں سب سے بڑا ہیرا بتلایا جاتا ہے۔ ایک ہندو مندر کی نذر کر دیا۔ اور اپنے نادر موتیوں کے کنٹھے کو دوسرے مندر پر چڑھا دیا اور اپنے پسندیدہ گھوڑوں کو بمعہ جملہ مرصع ساز و سامان کے جس کی قیمت تین لاکھ اشرفی تھی ایک تیسرے مندر کو دیا۔

اُن کی چار نہایت حسین رانیاں مع پانچ کشمیری کنیزوں کے ان کی چتا پر بیٹھ کر ستی ہو گئیں

سبب میں پہلی دفعہ سال گزشتہ میں لاہور آیا تھا تو ان کنیزوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام کنول تھا، بہت ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے بہت کوشش کی گئی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ بلکہ اُن کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ اُن کا جملہ مال و اسباب اُن ہی کے قبضہ میں رہے گا۔ اور اُن کی عزت بھی ویسی ہی قائم رکھی جائے گی۔ لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں۔ یورپین افسر جو اس موقع پر موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسا کہرام کا وقت تھا جو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

چاروں رانیاں چتا پر بیٹھ گئیں اور رنجیت سنگھ کے سر کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس کے بعد مہارانی نے کھڑک سنگھ کو جو کہ رنجیت سنگھ کا بیٹا اور ولیعہد تھا۔ اور دھیان سنگھ وزیر اعظم کو چتا پر بلایا اور کھڑک سنگھ کے ہاتھ میں مہاراج کا مردہ ہاتھ دے کر کہا۔ کہ اب قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم دھیان سنگھ کے ساتھ ویسا ہی مروت و سلوک رکھو گے جیسا کہ مہاراج کا تھا۔ پھر دھیان سنگھ سے قسم لے کر کہا کہ تم بھی اس بات کا اقرار کرو کہ تم مہاراج کے بیٹے کے ساتھ ویسے ہی سچی خیر خواہی اور اطاعت کا اظہار کرتے رہو گے۔ جیسا کہ اُس کے باپ کے ساتھ کرتے رہے ہو۔ اس کے بعد مہارانی نے اپنے ہاتھ سے چتا کو آگ لگا دی اور وہ نو زندہ نازنین بغیر چیخنے یا اور کسی دردناک آواز کے جل کر خاکستر ہو گئیں۔ دھیان سنگھ نے دو دفعہ اپنے آپ کو چتا پر گرایا اور کہا کہ میں بھی مہاراج کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن لوگوں نے پکڑ کر زبردستی سے اُن کو علیحدہ کر دیا۔ جو ہنگامہ مہاراج کے مرنے کے سبب پیدا ہوا ہے تم اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہماری فوج کو انڈس کے واسطے جملہ رسد رسانی اور نقد خرچ کے پہنچنے کے لئے بہر حال پنجاب میں سے ہو کر ہی جانا چاہیئے۔ اور پنجاب میں اس قدر خود مختار اور طاقتور سردار موجود ہیں کہ رنجیت سنگھ کے ہی رُعب نے ان کو دبایا ہوا تھا۔ لیکن اب نہایت خطرناک حالت ہے۔ اگرچہ کھڑک سنگھ کے خیالات ہماری نسبت نیک ہیں لیکن اُن میں اپنے باپ جیسی ہمت اور دلاوری نہیں ہے۔ مہاراج نے جو آخری چٹھی مجھے لکھی تھی وہ میں آپ کو بھیجتا ہوں۔ چونکہ وہ شیر لاہور یہاں کا ایک جلیل القدر حکمران ہے اور یہ اُس کی اصلی تحریر ہے۔ اس لئے اس کو دلچسپ سمجھنا چاہیئے۔

خط از طرف رنجیت سنگھ بنام آنریبل ولیم آسبرن۔

باوجودیکہ میرے اور آپ کے درمیان دوستی منعقد ہو چکی تھی۔ جبکہ آپ میرے یہاں

مہمان رہے تھے۔ اور یہ اتحاد ہر خاص و عام پر مثل آفتاب روشن ہوگیا تھا۔ اور مجھے تمہارے خط کی خواہش رہی ہے لیکن تم نے بہت دیر سے اپنی صحت کے حالات کا مژدہ بھیج کر مطمئن نہیں کیا۔ اس لحاظ سے مجھے فکر اور تعجب رہا ہے۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اب فتح قندھار کے متعلق کل حالات سے مجھے اطلاع دینگے۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ جس سے تمام ہوا خواہان کو مسرت ہوتی چاہیئے۔ اور نیز اپنی صحت کی اطمینان بخش خبر سے بھی مطلع کریں۔ کیونکہ باغبانِ محبت اگر نخلِ اتحاد کی آبیاری پر توجہ نہ کرے تو وہ سرسبز رہ کر ثمرہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ مرجھا کر جنگلی درخت کی طرح خشک ہو جائے گا۔ اگر تم کو یہاں سے کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے لکھ بھیجو، اور میں اس فرمائش کے بجالانے کو باعث مسرت اور موجب ازدیادِ موانست تصوّر کرتا ہوں۔ اور یہ اتحاد میرے لئے چشمۂ فرحت ہے۔ کیونکہ ایک انگریز شریف آدمی کی دوستی جملہ اقوام کے لئے حسد کا باعث ہے۔ مجھے امید ہے کہ دوبارہ ملنے کے وقت تک آپ اپنی صحت و خوشنودی کی اطلاع وقتاً فوقتاً دے کر محظوظ کرتے رہیں گے اور نیز مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہمارا ملنا بہت جلد ہو گا۔

بنام آنریبل ڈبلیو آسبرن منجانب مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ لاہور

○

حصّہ دوم

مفصلہ ذیل فہرست اُن یورپین افسروں کی ہے جو مہاراج کی ملازمت میں تھے۔

نمبر شمار	نام	قوم	عہدہ	کیفیت
۱	الورین	اٹلی	افسر پیادہ فوج	لاہور میں انتقال ہوا۔
۲	گارڈن	یوریشین	افسر رسالہ	ایضاً
۳	ونتورا	اٹلی	افسر پیادہ فوج	مستعفی ہوا
۴	الاڈ	فرانس	افسر رسالہ	پشاور میں انتقال ہوا
۵	کورٹ	فرانس	افسر توپخانہ	مستعفی ہوا
۶	اوی تابیل	اٹلی	افسر پیادہ فوج	ایضاً
۷	ہومس	سپین	ایضاً	لاہور میں انتقال ہوا
۸	یوچین	روس	ایضاً	مستعفی ہوا
۹	ہونگ برجبر	جرمنی	ڈاکٹر	ایضاً
۱۰	ڈوٹن وایز	ایضاً	انجینئر	ایضاً
۱۱	ہارلن	امریکہ	دیوانی	ایضاً
۱۲	ڈولسٹ	فرانس	افسر پیادہ فوج	ایضاً
۱۳	ہولمس	یوریشین	ایضاً	
۱۴	ڈوبگنن	فرانس	افسر پیادہ فوج	
۱۵	ہئیسٹ	یونان	ایضاً	لاہور میں مارا گیا
۱۶	ہورلیک	ایضاً	ایضاً	مستعفی
۱۷	میکفرسن	انگریز	ایضاً	ایضاً
۱۸	گارڈنر	امریکہ	افسر توپخانہ	ایضاً

نمبر شمار	نام	قوم	عہدہ	کیفیت
۱۹	گنّارا	امریکہ	افسر توپخانہ	مستعفی
۲۰	کورٹ لنڈ	یوریشین	افسر پیادہ فوج	ایضاً
۲۱	ہٹ سرائے	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۲۲	بارلو	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۲۳	موٹن	فرانس	افسر رسالہ	ایضاً
۲۴	سٹین بیچ	جرمنی	افسر پیادہ فوج	گلاب سنگھ کے بعد میں ملازمت میں رہا
۲۵	ڈولدارادک	فرانس	ایضاً	گھوڑی سے گر کر مر گیا
۲۶	ڈولدافانٹ اول	ایضاً	ایضاً	مستعفی ہو گیا
۲۷	ڈولدافانٹ دوم	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۲۸	فوکس	انگریز	افسر رسالہ	سکھوں کے ہاتھ سے مارا گیا
۲۹	ہربن	سپین	انجینئر	مستعفی
۳۰	لیزلی	یوریشین	افسر پیادہ فوج	ایضاً
۳۱	مارٹن ڈیل	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۳۲	فورڈ	انگریز	ایضاً	سکھوں نے مار ڈالا
۳۳	ڈو فیشے	فرانس	افسر رسالہ	لاہور میں انتقال ہوا
۳۴	فرزند ڈو فیشے	ایضاً	ایضاً	مستعفی ہو گیا۔
۳۵	ہاروے	سکاٹ لینڈ	ڈاکٹر	ایضاً
۳۶	جربیس	فرانس	افسر پیادہ فوج	ایضاً
۳۷	موربیس	پرشیا	ایضاً	ایضاً
۳۸	بیاپچی	اٹلی	ایضاً	ایضاً
۳۹	آریو	فرانس	ایضاً	ایضاً

۱- جرنیل وَنتُورا

مہاراج کے یورپین افسروں میں سے جرنیل ونتُورا بسبب چند وجوہات کے سب پر سبقت رکھتا ہے۔ اوّل تو مہاراج کے دل میں اُن کی بڑی عزت اور وقعت تھی۔ دوسرے وہ اور جرنیل الاڈ سب سے پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے جملہ انگریزی افسران جن سے اُن کو ملنے کا اتفاق ہوا اُن کی بہت قدر کرتے تھے۔ مہاراج کے انتقال تک انہوں نے نہایت وفاداری سے اُن کی خدمت ادا کی۔ اور اس جاں نثاری کے صلہ میں جو اُن سے ظاہر ہوتی رہی مہاراج نے اُن کو فوج خاص کا کمانڈنٹ مقرر فرمایا۔ اور چونکہ یہ فوج خاص جملہ افواج میں بخیال قواعد اور سامان جنگ ورُتبہ کے اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اس لئے جو شخص اس کا کمانڈنٹ ہوا اُس کو قدرتی طور سے جملہ سلطنت خالصہ میں نہایت امتیاز حاصل ہونی چاہیئے تھی۔ یہ فوج خاص بطور نمونہ کے تیار کی گئی تھی۔ اور جب اس میں من کل الوجوہ کامیابی حاصل ہوئی تو باقیماندہ فوج بھی اسی طریقے پر آراستہ کی گئی۔

اس زمانہ میں زیادہ تر قدر رسالہ کی تھی۔ کیونکہ وہ بہت جلد یلغار کر سکتے تھے۔ تاہم بھی ان میں نہ تو کچھ قواعد دانی تھی اور نہ ہی باقاعدہ آراستگی تھی۔ ایسی صورت میں مہاراج نے اپنی دور اندیشی اور لیاقت کی وجہ سے ان کو ایک معمولی حالت سے نکال کر نہایت اعلیٰ درجہ کی قواعد دان و تربیت یافتہ پیدل فوج میں تبدیل کر لیا۔ اور چونکہ ہندوستان میں صرف اسی حکمران کے قبضۂ قدرت میں ایسی با رُعب فوج موجود تھی جو کمپنی کے افواج کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتی تھی، اس لئے ان کو اگر بڑے بڑے منتظمانِ ملٹری کی فہرست میں داخل کیا جائے تو ناجائز نہ ہوگا۔ ونتورا بھی اس کام میں اُن کا شریک اور معاون تھا۔

جنرل ونتورا کی ابتدائی عمر کا حال تو کچھ معلوم نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ شہنشاہ نپولین کی پیادہ فوج میں اُن کو کرنیل کا عہدہ حاصل تھا۔ بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ونتورا یہودی نسل سے تھا اور ان کا اصلی نام ربن بن تورا تھا۔ مہاراج کو جب ان پر پورا اعتماد ہو گیا اور کوئی شبہ باقی نہ رہا تو ان کو فوج خاص کا افسر مقرر کر دیا۔ خاص عنایت کی وجہ سے مہاراج نے ان کو رہائش کے واسطے وہ مشہور مکان عطا کیا جو انار کلی کے قبر کے نام سے مشہور تھا۔ اس مکان میں پہلے شہزادہ کھڑک سنگھ ولیعہد رہا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ونتورا کی کس قدر

قدر و منزلت تھی۔

مہاراج کسی کو ملازم رکھنے سے پہلے یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ گائے کا گوشت قطعی ترک کیا جائے۔ اور ڈاڑھی بھی نہ منڈوائی جائے۔ اور نیز تماکو پینے کی بھی ممانعت کی جاتی تھی۔ لیکن چونکہ ونتورا اور الاڈ نے پہلی دو شرطوں کو منظور کر لیا اس لئے تیسری شرط ان کو معاف کی گئی۔

ملازمت کو اختیار کئے ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا تھا کہ ایک ایسا موقع پیش آگیا۔ جس کے سبب سے مہاراج اور جملہ سکھ فوج پر اُن کی قابلیت اور فنون جنگ کی لیاقت کا پورا اظہار ہو گیا۔ مارچ ۱۸۲۳ء میں سکھوں اور افغانوں کی لڑائی نوشہرہ اور ہیتری کے مقامات پر آپڑی۔ افغانوں کی تعداد بکثرت تھی اور اُن کی باقاعدہ فوج دریائے کابل کے دست راست کے کنارہ پر مورچہ باندھے ہوئے تھی۔ اس کے علاوہ بیس ہزار کے قریب کھٹک اور یوسف زئی کوہستانی اقوام دستِ چپ کے کنارہ پر مقبوض تھے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس موقع پر جرنیل ونتورا اور الاڈ پر کامل بھروسہ کر کے چار رجمنٹ پیادہ فوج کی اور دو توپخانہ اُن کے زیر کمان کر کے افغانوں کی باقاعدہ فوج کو روکنے کے لئے بھیجا۔ اور خود جملہ فوج کے ساتھ غازیوں کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ یہ لڑائی بڑی خونریزی سے ہوئی۔ مگر رنجیت سنگھ کی فوجی قابلیت کے سبب سے سکھوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ کپتان ویڈ کہتے ہیں کہ چوبیس ہزار فوج میں سے سکھوں کے دو ہزار آدمی اس موقعہ پر مارے گئے۔ افغانوں کی جانب تین ہزار آدمی مقتول ہوئے اور دوسرے دن بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو کر جمع ہوئے۔ لیکن محمد اعظم خاں نے جو افغانوں کی باقاعدہ فوج کا افسر تھا۔ یہ خیال کر کے کہ مبادا اُس کا خزانہ اور حرم سکھوں کے ہاتھ لگ جائے۔ پسپا ہو کر مہمند پہاڑوں کے اوپر سے جلدی سے گزر کر جلال آباد کی وادی میں پہنچ گیا۔ جرنیل ونتورا اور الاڈ نے بہت دور تک اُس کا تعاقب کیا۔ کیونکہ شہزادہ شیر سنگھ بھی اُن کی مدد کو پہنچ گئے تھے۔ اس فتح کا یہ نتیجہ ہوا کہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر قبضہ کر کے درہ خیبر تک اپنی فوج کو لوٹنے کا حکم دے دیا۔

جرنیل ونتورا کا بسبب اُن خدمات کے جو اس موقعہ پر ہوئیں اور نیز اس کے بعد وقوع میں آئیں۔ مہاراج نے بہت اعزاز کیا۔ اور ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ مقرر ہو گئی۔ اس کے علاوہ اور کئی موقعوں پر اُن کو بڑی بڑی جاگیرات عطا ہوئیں۔ مہاراج

نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پیشتر ونتورا کی خورد سال لڑکی کو دو گاؤں عنایت کیے۔ باوجود اتنی بڑی آمدنی کے بھی جرنیل ونتورا دولتمند نہ تھا۔ کیونکہ بہ سبب دیانتدار ہونے کے وہ ہر ایک قسم کی ناجائز آمدنی سے پرہیز کرتا تھا۔ اور اُن کی تنخواہ مدت تک بقایا میں رہتی تھی۔ جس وقت قرضہ کی تعداد ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہو گئی۔ تو اُس نے مہاراج سے عرض کی کہ اُن کی بقایا تنخواہ مل جائے۔ اس پر مہاراج نے کہا کہ تم کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے اُس کو اپنا ہی سمجھو۔

۱۸۲۵ء میں جرنیل ونتورا کی شادی ایک یورپین لیڈی سے بمقام لودھیانہ ہوئی۔ اور اس تقریب پر لاہور میں رسومات ادا کی گئیں اور دُلہن کو مہاراج کی طرف سے دس ہزار روپیہ کے تحائف دیئے گئے۔ اور درباریوں کی طرف سے بھی تیس ہزار روپیہ کا سامان مل گیا۔

۱۸۲۶ء میں پہلی لڑائی کوٹلیر کے برخلاف کی گئی۔ اور فوج کی افسری جمعدار خوشحال سنگھ کو جو مہاراج کا پسندیدہ ملازم تھا دی گئی۔ اس لڑائی میں بہت سے سکھ سپاہیوں اور سرداروں نے جرنیل ونتورا اور الاڈ کے ماتحت لڑنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ اُن کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر دونوں جرنیلوں نے مہاراج سے شکایت کی۔ جنہوں نے فوراً موقعہ پر جا کر باغی افسروں کو ذلیل کر کے سپاہیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ اس کے بعد جرنیل ونتورا ہری سنگھ نلوا کے ہمراہ چھوٹی چھوٹی مہموں میں لڑتے رہے۔ اس کے علاوہ شہزادہ شیر سنگھ کے ہمراہ پشاور پر اس غرض سے فوج کشی ہوئی تاکہ یار محمد خاں سے جو اس وقت پشاور کا حکمراں تھا۔ خراج لیا جائے۔ مگر لڑائی کے بغیر ہی خراج وصول ہو گیا۔

۱۸۲۷ء میں لیلی گھوڑے کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ گھوڑا اپنی اعلیٰ خصلت اور خوبصورتی میں بے انتہا مشہور تھا۔ فتح علی شاہ والی ایران نے پچھتر ہزار روپیہ اس کی قیمت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی اسے دل و جان سے اپنے قبضے میں لانا چاہتا تھا۔ یار محمد خاں حکمراں پشاور نے جو اس گھوڑے کا مالک تھا یہ خبر مشہور کر دی کہ لیلی مر گیا ہے مگر مہاراج نے شہزادہ شیر سنگھ اور جرنیل ونتورا کے ماتحت فوج چڑھا دی۔ اور آخرکار گھوڑے کو اپنے قبضے میں لے ہی لیا۔

جس قدر لڑائیاں مہاراج نے کیں اور ملک فتح کیے اُن میں جرنیل ونتورا شامل رہا ہے۔ مگر چونکہ مہاراج کو ونتورا اور دیگر یورپین افسران پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے سکھ سرداروں اور

جنرل ونتورا

جنرل الاڈ (۱۷۸۵ء - ۱۸۳۹ء)
تربیت دہندہ رسالہ سکھاں

افسروں کو بے حد حسد پیدا ہوگیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس لڑائی میں مہاراج خود شامل نہ ہوتے تھے اُس کی افسری یا تو اپنے خاندان میں کسی شہزادہ کو دیتے تھے۔ یا کسی نہایت ہی معتبر سردار کو عنایت ہوتی تھی۔ ۱۸۳۱ء میں شہزادہ شیر سنگھ اور جرنیل ونتورا دونوں فوج کے افسر مقرر ہو کر سید احمد کے مقابلہ کے واسطے پشاور بھیجے گئے۔ چنانچہ بالاکوٹ کے مقام پر سید احمد بمعہ اپنے مریدوں کے شکست کھا کر مارے گئے۔

۱۸۳۱ء میں دوبارہ جرنیل ونتورا دس ہزار فوج اور تیس توپوں کے ساتھ ملتان خراج لینے کی غرض سے بھیجے گئے۔ غرض اس طرح سے وہ اپنے آقا کے نہایت ہی نمک حلال اور جان نثار ملازم تھے۔ اور مہاراج کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں کے اسی طرح خیر خواہ رہے۔ مہاراج نے ملازم رکھتے ہی ان کو جرنیلی کا عہدہ عطا فرمایا۔ اور علاوہ اس کے لاہور کے قاضی اور گورنر مقرر ہوئے۔ اس سبب سے دربار کے موقعہ پر اُن کی کرسی تیسرے نمبر پہ قائم ہوئی۔

شروع ملازمت میں جرنیل ونتورا اور الاڈ لاہور کی چھاؤنی کے متصل ایک مسجد میں رہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب ۱۸۳۸ء میں جرنیل ونتورا دو سال کی رخصت پر یورپ کو گئے تھے تو ان کے اہل و عیال بمعہ ۴۰، ۵۰ کنیزکوں کے اس مسجد میں مقیم رہے۔ اور ایک دفعہ بھی اس عرصہ میں باہر نہ نکلے۔

جرنیل ونتورا ایک عالی حوصلہ اور باعزت سپاہی تھا۔ اور جملہ سکھ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ۱۸۴۳ء میں یہ پنجاب سے رخصت ہو کر واپس یورپ کو چلے گئے۔ اور چونکہ روپیہ بہت تھا اس لئے بڑی خوشحالی سے باقی ماندہ زندگی پیرس میں بسر کی۔

۲- جرنیل الاڈ

پہلے یہ فرانسیسی فوج میں ۱۸۰۳ء میں ملازم ہوا۔ اور پھر اٹلی میں فرانسیسی فوج کے ساتھ لڑائی میں شامل ہوا۔ اور اس زمانہ جنگ و جدل میں بہت جلد ترقی کر کے مارشل برون کا ایڈی کیمپ بن گیا۔ مگر بدقسمتی سے واٹرلو کی لڑائی میں اس کا افسر ہلاک ہوگیا۔ اور فرانسیسی شہنشاہ کے تمام منصوبے اس میدان جنگ میں تباہ ہوگئے۔ اور ساتھ ہی اس بیچارے کی جملہ اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ چار سال کے انتظار کے بعد جب فرانس میں کوئی فوجی ملازمت جدید عہد میں نہ مل سکی تو اس نے ارادہ کر لیا کہ دنیا کے کسی اور حصے میں اپنی قسمت آزمائی

کرے۔ چنانچہ یہ ونتورا کے ساتھ ایران کو گیا اور اس جگہ عباس مرزا ولیعہد کی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ اگرچہ ان کو مہربانی اور عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مگر تنخواہ کے قلیل ہونے کے سبب سے عباس مرزا سے رخصت لے کر براہ افغانستان پنجاب میں داخل ہوگیا۔ چنانچہ جس طرح سے جرنیل ونتورا کو پیادہ فوج کی افسری عنایت ہوئی اسی طرح اس کو جملہ رسالہ جات کی کمان عطا ہوئی۔ اور اس کی آراستگی میں جو کامیابی اسے حاصل ہوئی وہ لیفٹیننٹ بار صاحب کے مفصلہ ذیل بیان سے بخوبی ظاہر ہوگی۔

"اس کے بعد ہم رسالہ کے متصل پہنچ گئے جو دست چپ کی طرف صف آراستہ تھا۔ ان کے گھوڑے نہایت عمدہ ہیں اور ان پر آدمی سوار ہوئے بہت شاندار معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے دست راست کی طرف جرنیل الاڈ کے رسالہ کی دو رجمنٹ فولادی زرہ پہنے ایستادہ تھیں۔ اور یہ دستہ نہایت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ سوار اور گھوڑے دونوں چیدہ ہو کر بھرتی ہوئے ہیں اور خاص کر بلند قامت آدمی جو زرہ اور فولاد کے خود سے مزین تھے از حد تنومند و وجیہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آراستگی میں خاص توجہ سے کام لیا گیا ہے۔ اور ان کا ساز و سامان نہایت اعلیٰ درجہ کی نگرانی میں رہتا ہے۔ بہت سے افسروں کے پیتل کے چار آئینے لگائے ہوئے تھے۔ ان کا افسر میرے خیال میں سب سے زیادہ وجیہ ہے۔ اور اپنی پُرشکوہ فوج کے آگے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ انہیں کی توجہ اور نگرانی کا سبب ہے کہ یہ فوج ایسی مردانہ اور قابلِ تعریف آراستگی کی حالت میں ہے۔"

لیفٹیننٹ بار کا خیال ہے کہ مارچ یا ہالٹ کے وقت ان کی ایسی باقاعدہ حرکات تھیں۔ کہ کمپنی کا رسالہ بھی اُن سے بہتر نہیں کر سکتا۔ ان کی وردی یہ ہے کہ سرخ رنگ کے کوٹ جن پر زرد رنگ کے کف وغیرہ لگے ہوئے ہیں اور اس کے اوپر دو پیٹیاں ایک میں تو سنگین لگی ہوئی ہے اور دوسری میں تھیلی۔ اور کمر پر کمربند بندھا ہوا ہے۔ جس میں ایک تلوار پیتل کے قبضہ کی۔ اور چمڑے کے میان کی بندھی ہوئی ہے۔ اور بندوق کو اس طرح سے لگایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ پشت پر بندھی ہوئی ہے۔ پتلونیں نیلی بانات کی جن پر سرخ دھاری ہے اور پگڑیاں قرمزی ریشم کی جن پر زیبائشی پیتل کا ہلال اور چمکدار کلغی لگی ہوئی ہے۔ افسروں کا سرتاپا قرمزی ریشم کا لباس ہے اور کمر میں ایک تلوار ہے۔

جرنیل الاڈ اپنے زمانۂ ملازمت میں ہر ایک جنگ میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ کہتے ہیں

کہ جس وقت انہوں نے باقاعدہ رسالہ کی تربیت شروع کی ہے تو ایک دن مہاراج رنجیت سنگھ نے اپنے گھوڑ چڑھوں کو دریائے انڈس سے عبور کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فی الفور تعمیل حکم کی گئی۔ لیکن کسی احتیاط اور قواعد کا لحاظ نہ کیا گیا۔ اس لئے پانچ سو آدمی کے قریب دریا کی طغیانی کے سبب سے ڈوب گئے۔ اس پر جرنیل الاڈ نے ہاتھی پر سوار ہو کر ترم بجا کر اپنے رسالہ کو صف بندی سے عبور کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بغیر کسی نقصان کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ مہاراج نے یہ دیکھ کر الاڈ کو جرنیلی کا عہدہ بخش کر تین ہزار اشرفی سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔

جرنیل الاڈ کے اطوار نہایت پسندیدہ تھے اور وہ سلیم الطبع اور با اخلاق آدمی تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ان سے بہت اُنس تھا اور کہتے ہیں کہ جس وقت انہوں نے الاڈ کے انتقال کی خبر سُنی تو اُن کو بہت صدمہ ہوا۔ جرنیل الاڈ کا انتقال پشاور میں جنوری ۱۸۳۹ء میں ہوا۔ اور اُن کی لاش لاہور میں لا کر دفن کی گئی۔ مہاراج کی طبیعت بھی اُس زمانہ میں ناسازتھی۔ اس لئے ملازموں نے خوف سے کتنی دیر تک مہاراج کو اس وقوعہ کی اطلاع نہیں دی تھی۔ ان کی عمر ۵۴ سال کی تھی اور ایک بیوی اور بہت سے بچے جن سے ان کو بہت محبت تھی پیچھے چھوڑ گئے۔

۳۔ جرنیل اوی تابیل

یہ افسر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں ایسا ہی نامور گزرا ہے جیسا کہ ونتورا اور الاڈ۔ مگر اس کی طبیعت کا رُجحان بہ نسبت فوجی کام کے انتظام ملکی کی طرف زیادہ تھا۔ چونکہ مہاراج خود بھی نہایت ہی دانشمند اور اعلیٰ درجہ کے مدبر تھے۔ اس لئے انہوں نے فوراً دیکھ لیا کہ اوی تابیل کو سول انتظام کے واسطے مقرر کرنا بہت مناسب اور مفید ہوگا۔ اس لئے انہوں نے افسر مذکور کو پشاور کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اگرچہ اس نے نہایت بے رحمی اور سخت تشدد سے کام لیا۔ مگر پشاور جیسی جگہ میں اس قسم کا عمل اس کی باعث کامیابی ہوا۔

جرنیل اوی تابیل بھی اپنی آغاز عمر میں نپولین کی فوج کے ساتھ اٹلی میں لڑتا رہا۔ مگر ایک موقعہ پر باوجود اس کی دلاوری اور زخمی ہونے کے وہ ترقی سے محروم رکھا گیا۔ اس لئے رنجیدہ ہو کر اس نے ملازمت ترک کر کے کسی اور ملک میں اپنی قسمت آزمائی کی کوشش کا ارادہ کیا۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں پہنچ کر اُس کو معلوم ہوا کہ فتح علی شاہ والی ایران کی طرف سے ایک سفیر یورپین افسران کو ایرانی فوج کے واسطے نوکر رکھنے کے لئے آیا ہوا ہے۔ یہ تو اس تلاش میں تھا ہی۔ فوراً سفیر

ایران کے ہمراہ طہران ۱۸۲۰ء میں جا پہنچا۔ اور چھ سال تک شاہ ایران کی خدمات ایسی کامیابی اور عمدگی سے کیں کہ انہوں نے اظہارِ خوشنودی میں اوی تابیل کو منصب خان عطا فرمایا اور کرنیلی کے عہدہ پر مقرر فرما دیا۔ مگر اس کو یہ انعام کافی معلوم نہ ہوا اور چونکہ رنجیت سنگھ کی فیاضی کا چرچا اس کے کان تک پہنچ گیا تھا۔ اس لئے ایران کی ملازمت سے دستبردار ہو کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بہت سے مصائب برداشت کرنے کے بعد وہ منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ یہاں وہ فوراً ملازم رکھ لیا گیا۔ اور وزیر آباد کے صوبہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اوی تابیل نے اس عہدہ کے فرائض منصبی کو سختی کے ساتھ مگر لیاقت سے ادا کیا۔ اور ہندو اور مسلمانوں سے بغیر رو رعایت کے یکساں سلوک کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ تو اس بات سے نہایت خوش ہوئے، مگر سکھوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ اُن کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاوے جیسا کہ ایک حکمران قوم کے ساتھ واجب ہے۔ اوی تابیل علاوہ گورنر ہونے کے فوج متعینہ وزیر آباد کی کمان بھی کرتا تھا۔

پادری یوسف صاحب نے ۱۸۳۲ء میں اوی تابیل سے وزیر آباد میں ملاقات کی اور مفصلہ ذیل حالات اس کی بابت لکھتے ہیں۔

"یہ باشندہ نیپلز کا ہے۔ اٹلی۔ فرانسیسی۔ فارسی اور اردو نہایت خوش اسلوبی سے بولتا ہے۔ وزیر آباد کے شہر کو اس نے بہت ترقی دی ہے۔ اس شہر کے جملہ بازار صاف اور درست رہتے ہیں۔ اور اس کی اپنی سکونت کا مکان بہت خوبصورت ہے۔ اور اس کی گاڑی بھی قابل تعریف ہے۔ ہوشیار زندہ دل اور فہمیدہ خصلت کا آدمی ہے۔ چنانچہ اس نے پادری صاحب سے مذاق کے طور پر کہا کہ چلئے میں آپ کو اپنے سونے کا کمرہ دکھلاتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر پادری صاحب نے دیکھا کہ چاروں طرف دیواروں پہ رنڈیوں کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ ایک اور موقعہ پہ جبکہ یوسف صاحب اور اوی تابیل ہاتھی پر سیر کر رہے تھے تو اس نے پادری صاحب سے کہا کہ جو شائستگی میں نے اس جگہ رائج کی ہے آپ اُس کو ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پادری صاحب کی اتفاق رائے کرنے پہ اُسی طرح بہ سواری فیل شہر سے باہر نکل گئے۔ اس جگہ پادری صاحب نے دیکھا کہ بہت سے لوگ چھ سُولیوں پر لٹک رہے ہیں۔

اگرچہ اس کی طبیعت میں ظرافت بہت ہے۔ لیکن جب کسی معاملے کی گفتگو کی جائے تو اس کا چہرہ بہت سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے ایّام ملازمت میں قریباً پچاس ہزار اشرفی

جمع کر لی ہے۔ تاہم بھی وہ اپنا وطن نہیں بھولا۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کا خواہشمند رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکل کر گھر پہنچ جاؤں۔

۱۸۳۴ء میں وہ پشاور منتقل کیا گیا۔ اس شہر کے باشندے دیگر شہروں کی نسبت بہت زیادہ سرکش اور غیر مہذب ہیں۔ اوی تابیل پہلا ہی شخص تھا جس نے ایسے شہر کو اپنے رُعب اور قبضہ میں رکھا۔ سر ہنری لارنس کا خیال ہے کہ "اوی تابیل کو وحشی جانوروں پر حکمراں کیا گیا ہے، نہ کہ معقول انسانوں پر۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اگر حکمراں ذرا بھی غفلت کرے تو یہ وحشی جانور فوراً اپنی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔ بڑا بھاری الزام اس پر یہ ہے کہ وحشی آدمیوں پر وہ وحشی طریقہ سے حکومت کرتا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں کرتا کہ ایک عیسائی شخص آہنی عصائے حکومت کو بے رحمی کے خون سے آلودہ کرنے کے بغیر پکڑ سکتا ہے۔ اس کے عہدِ حکومت میں علاوہ دلیسی تعزیرات کے سرسری طریقہ پر پھانسی دے دینا شروع ہوا ہے۔ اگر اس کو دانشمندی سے کیا جائے تو یہ عمل معیوب نہیں، لیکن ایک نمائش کے طور پر ہر تقریب اور تہوار کے دن دو تین کو لٹکا دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جان کی کچھ بھی قدر نہیں کی جاتی۔ اور علاوہ اس کے دوسروں کو یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ مجرم اور بے گناہ میں کوئی تمیز نہیں کی جاتی۔ اور بہت سے بے گناہ آدمی بغیر قصور کے اپنی جان دے دیتے ہیں۔

تاہم جرنیل اوی تابیل میں بہت سی اچھی خصلتیں ہیں۔ وہ چُست، دلیر اور فہمیدہ شخص ہے اور ہر ایک چیز کو وقت بے وقت خود اپنی نگرانی میں رکھتا ہے، اور اپنے رُعب کے سبب سے بہت سی جانوں کے تلف ہو جانے سے بچاتا ہے۔ یہ کہہ دینا قرینِ انصاف ہوگا کہ پشاور کے وہ ہندو مسلمان باشندے جو صلح کل ہیں۔ اس کے انتظام کے مداح ہیں۔ اگرچہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ اس کے احکام میں رحم کا نام نشان تک نہیں۔"

"اوی تابیل کی شکل کا نقشہ اس طرح سے ہے۔ فربہ اور بلند قامت۔ چہرہ پر آثارِ شہوت پرستی نمایاں۔ ناک اور ہونٹ لمبے ہیں اور کسی قدر یہودی شباہت پائی جاتی ہے۔ ڈاڑھی گنجان ہے۔ سنہری لیس کی آسمانی صدری جسم پر اور ترکی طرز کا کشادہ سُرخ پاجامہ پہنا ہوا۔ اور ایک بیش قیمت تلوار کمر سے باندھی ہوئی ہے۔ اس تلوار کا پھل شہنشاہ اکبر کی ملکیت تھا۔ اس لئے نہایت شاندار ہے۔ اوی تابیل نے اس کو دو ہزار روپیہ میں خریدا ہے۔ اور اس پر مرصع کرنے کے لئے ایک ہزار اور صرف ہوا۔ قبضہ خالص طلا کا ہے جس پر بیش قیمت جواہرات کی مرصع

کاری ہے۔ اسی طرح نیام پر بھی زیبائش کی گئی ہے۔ اور اس کی سبز مخمل کی پوشش ہے۔ جو اس کام کے نیچے بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اب یہ بیش قیمت چیز کس کے قبضہ میں ہے۔"

لطیفہ

اوی تابیل کے ایام گورنری کی ایک حکایت ایک جرمنی سیاح نے لکھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرنیل میں خوش طبعی اور جودت کا کس قدر مادہ موجود تھا۔

"پشاور کی ایک مسلمان عورت کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھے۔ ان دونوں کی کچھ مدت کے بعد شادی کی گئی۔ چنانچہ ایک ہی وقت میں لڑکی کے اور لڑکے کی بیوی کے ایک ایک بچہ پیدا ہوا۔ ایک کے گھر میں تو لڑکا اور دوسری کے بیٹی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں عورتوں میں بڑا سخت تنازعہ پیدا ہو گیا۔ لڑکی کے بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ اور لڑکے کی بیوی کے لڑکا ہوا تھا۔ لیکن لڑکی یہ کہتی تھی کہ بیٹا تو میرا ہے۔ لیکن اس کو چرا لیا ہے اور لڑکے کی بیوی اس الزام سے انکار کرتی تھی۔ اور اس کی تصدیق میں اس کی ساس اُس کی حامی تھی۔ یہ جھگڑا اس قدر بڑھ گیا کہ فریقین نے جج کے پاس نالش کی۔ مگر اس جج کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس لئے اُس نے دونوں کے دعوے خارج کر دیئے۔ مگر فریقین کو اس سے اطمینان نہ ہوا۔ اور انہوں نے عدالت بالا دست میں جس میں جرنیل اوی تابیل پریذیڈنٹ تھے، اپیل کیا۔ چنانچہ مقدمہ اُن کے روبرو پیش ہوا۔ عوام میں اس قدر دلچسپی بڑھ گئی تھی کہ ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ جج اس کا کس طرح فیصلہ کرے گا۔ جس وقت فریقین کے بیانات قلمبند ہو چکے تو جرنیل اوی تابیل نے حکم دیا کہ دو بکریاں حاضر کی جاویں۔ ایک کے تو نر بچہ ہو اور دوسرے کے مادہ۔ جب اس کی تکمیل ہو گئی تو انہوں نے پھر حکم دیا کہ دو بھیڑیاں ایک مادہ بچہ والی اور دوسری نر بچہ والی موجود کریں۔ اس کے بعد انہوں نے تیسری دفعہ حکم دیا کہ دو گائیں مہیا کی جائیں جن کے اسی طرح ایک نر ایک مادہ بچہ ہو۔ جس وقت یہ جملہ مویشی حاضر کئے گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ بکری بھیڑ اور گائے کا دودھ دوہ لیا جاوے۔ اور ہر ایک کا دودھ علیحدہ علیحدہ برتن میں رکھا جاوے۔ اور اس پر نشان لگا دیا جاوے۔ اس کے بعد جرنیل نے کہا کہ اس دودھ کا امتحان کر لو۔ اس سے ثابت ہو جاوے گا کہ اُن جانوروں کا دودھ جن کے نر بچے ہیں زیادہ قوی ہو گا۔ بہ نسبت اس دودھ کے جو دوسروں کا ہے۔ چنانچہ امتحان کرنے پر یہ بات صحیح معلوم ہوئی۔ پھر جج نے حکم دیا کہ بچوں کی

جرنیل اوی ٹابیل

ماؤں کا دودھ حاضر کیا جاوے۔ جرنیل اوی تابیل نے اس دودھ کو دیکھ کر کہا کہ لڑکے کی بیوی کا دودھ لڑکی کے دودھ سے زیادہ قوی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ بیٹے کی ماں ہے، جج کی عقل پر سب کوئی حیران ہوا اور اس کے فیصلہ کی تعریف سب کی زبان پر تھی۔"

۱۸۴۳ء میں جو انقلاب ہوا اُس میں جرنیل اوی تابیل کو بھی اپنے عہدہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور انگریزی علاقہ سے گزر کر اپنے وطن نیپلز میں پہنچ گیا۔ اس کی تنخواہ تین ہزار اشرفی سالانہ تھی۔ اور اس کے علاوہ گورنر پشاور کے ہونے کے سبب سے دو ہزار اشرفی سالانہ کی جاگیر بھی مل گئی تھی۔ دیگر انعامات و فوائد بھی بڑی کثرت سے ہوتے رہے۔ خاص کر اُس ابتری کی حالت میں جو مہاراج کے انتقال کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔

پنجاب سے جانے کے بعد جرنیل اوی تابیل نے نیپلز کے متصل ایک نہایت عمدہ مکان تعمیر کرایا۔ لیکن موت نے بہت دیر تک اُس میں رہ کر خوشی حاصل کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس کے انتقال کے بعد ان کے اندوختہ کا بہت سا حصہ وکیلوں کی جیب میں پہنچ گیا۔ کیونکہ بہت سے مصنوعی حق دار پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اٹلی میں براوران اوی تابیل کی ضرب المثل قائم ہو گئی۔

۴۔ جرنیل کورٹ

جرنیل کورٹ نے بھی مثل دیگر تین جرنیلوں کے شہنشاہ نپولین کی فوج میں خدمت کی تھی۔ اور اگرچہ وہ بہت قلیل عرصہ تک اُس میں رہا۔ لیکن اس زمانہ میں بھی اس نے بہت کچھ دیکھا۔ اپنے آقا کی جلاوطنی کے بعد وہ ملازمت چھوڑ کر ایران پہنچ گیا۔ اور اس جگہ اوی تابیل کے ہمراہ پنجاب میں آگیا۔ اور ۱۸۲۷ء میں مہاراج کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اور چونکہ رنجیت سنگھ کو اپنے توپخانہ کی ترقی کا بہت شوق تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ کام کورٹ کے سپرد کر دیا۔ بارہ سال کے عرصہ میں جو نمایاں ترقی سکھوں کے توپخانہ کو ہوئی۔ وہ اسی شخص کی لیاقت اور تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اور ہر کوئی اس بات کا شاہد ہے کہ اس نے نہایت محنت وجانفشانی سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔ سکھوں کی لڑائی میں جو مقابلہ اور خوف اس توپخانہ کے سبب سے پیدا ہوا۔ وہ اس کی تائید اور ثبوت میں کافی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مہاراج نے جرنیل کورٹ کو پھٹنے والے گولوں کے بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جرنیل مذکور نے حسب الحکم گولہ تیار کر دیا۔ آزمائش کے وقت مہاراج کو اُس کی کامیابی پر

ایسی خوشی ہوئی کہ انہوں نے اُسی وقت جرنیل کورٹ کو تیس ہزار روپیہ بطور انعام بخش دیئے۔

یورپین افسران کے ساتھ جو معاہدہ اُن کی ملازمت کے وقت ہوتا تھا اُس کی تین شرائط یہ تھیں۔

اول :۔ گائے گوشت سے قطعی پرہیز۔

دوئم :۔ ڈاڑھی لمبی رکھنا۔

سوئم :۔ دیسی عورت سے شادی کرنا۔

جرنیل ونتورا کو تیسری شرط معاف کر دی گئی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک یورپین عورت سے شادی کر لی تھی۔ لیکن الاڈ اور اوی تابیل اور کورٹ نے حسبِ منشاء اپنے آقا کے عمل کیا۔ جرنیل اوی تابیل نے مہاراج کے حکم کو یہاں تک نبھایا کہ اس نے اپنی شادی ایک دیسی عورت سے بڑی دھوم دھام سے مطابق ہندوستانی رواج کے کی۔ جرنیل الاڈ نے ایک نہایت حسین کشمیری عورت سے شادی کر لی۔ اور اس کے بطن سے بہت سی اولاد ہوئی۔ جرنیل کورٹ نے دو دفعہ ایک دوسری کے بعد شادی کی۔

کورٹ فربہ اور چھوٹے قد کا آدمی تھا اور اس کے چہرے پر چیچک کے داغ بکثرت تھے۔ اس کی وردی توپخانہ کے افسروں کے مطابق تھی۔ اس کی زرکش پیٹی کے ساتھ ایک نہایت خوبصورت تلوار بندھی رہتی تھی۔ اس کی طبیعت میں بہت سادگی تھی۔

سکھ گردی کے زمانہ میں جو افسر سپاہیوں کے منشاء کے برخلاف کوئی کام کرتا تھا وہ فوراً قتل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جرنیل کورٹ کی نسبت بھی سپاہیوں کے خیالات اچھے نہ تھے۔ اس کے اپنے سپاہیوں نے اس کے مکان پر حملہ کیا۔ اس لئے کورٹ نے مجبوراً جرنیل ونتورا کے کیمپ میں پناہ لی۔ اور ونتورا نے اپنی اور اپنے دوست کی جان بچانے کے لئے توپخانہ سے کام لیا۔

جرنیل کورٹ کی دو ہزار چار سو اشرفی سالانہ تنخواہ تھی۔ اور اس کے علاوہ ایک سو اشرفی سالانہ کی جاگیر بھی تھی۔ جس وقت کورٹ فرانس میں پہنچ گیا تو اس نے مطابق عیسائی قاعدہ کے اپنی بیوی سے دوبارہ شادی کی۔

مہاراجہ کھڑک سنگھ کی وزیر اعظم دھیان سنگھ سے گفتگو ۔ دھیان سنگھ کے دائیں طرف کھڑک سنگھ کا بیٹا نونہال سنگھ اور
دھیان سنگھ کا بیٹا ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں ۔

ضمیمہ

واقعات بعد از انتقال مہاراجہ رنجیت سنگھ

پیرانہ سالی میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کے پسر ہیرا سنگھ پر ایسی توجہ ہوئی کہ وہ اُن کا منظور نظر ہوگیا۔ اس نوجوان لڑکے کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی ہوگی۔ مگر اُس کے بچپن ہی سے مہاراج کی اُس پر خاص نظر عنایت تھی۔ اور اُس کو اپنا بچہ سمجھتے تھے۔ اب یہ حال ہوگیا تھا کہ مہاراج کو اُس کے بغیر دم بھر بھی چین نہ آتا تھا۔ ہیرا سنگھ بھی مہاراج کو باپ کہہ کر پکارتا تھا۔ اور اسی بات کی اُس کو تعلیم دی گئی تھی۔ فوج نے یہ حالت دیکھ کر ہیرا سنگھ کا اعزاز کرنا شروع کر دیا۔

راجہ دھیان سنگھ اور اُس کے برادران نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ اور سلطنت گیری کے واسطے بڑے بڑے منصوبے باندھنے شروع کئے۔ جن سے کشت و خون برپا ہوگیا۔ جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ان سب منصوبوں کا لُبّ لباب یہ تھا کہ ہیرا سنگھ یا کوئی اور ہوشیار ڈوگرا نوجوان تخت نشین ہو جائے۔ ان منصوبوں پر عملدرآمد تب ہی ہو سکتا تھا جب مہاراج کے خاندان کے جملہ نرینہ ورثا اور نیز ان ارکین اور مصاحبوں کو بھی تباہ کیا جائے جو ڈوگرا پارٹی کے مخالف ہوں۔

دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ نے ہیرا سنگھ کو تخت پر بٹھلانے کی غرض سے وہ خطرناک اور خونریز تدبیریں کیں جن کے سبب سے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اور بالآخر خود دھیان سنگھ اور ہیرا سنگھ بھی اُسی خون میں غرق ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کے مرتے ہی اُن کی دوربینی جاتی رہی اور صرف اس بات کی دُھن بندھ گئی کہ جس طرح ہو سکے تخت پر قبضہ کرنے کی غرض سے تمام روکاوٹیں پامال کر دی جائیں۔ مگر اس وقت ظاہری وفاداری اور حکمراں کے خاندان کی خیر خواہی کو بڑی دانشمندی سے نباہتے رہیں۔ کیونکہ ذرا سا شک بھی ان کے لئے باعث ہلاکت

ہو گا۔ مگر ساتھ ہی اس کے دلیری اور حوصلہ سے کام لینا ضروری ہو گیا تھا۔

رنجیت سنگھ نے مرتے وقت شہزادہ کھڑک سنگھ کو بُلا کر اپنا جانشین مقرر کر دیا اور راجہ دھیان سنگھ کو اُس کا وزیر۔ مگر کھڑک سنگھ نہ صرف کُودن ہی تھا بلکہ افیون کے نشہ میں ہر وقت بیخود رہتا تھا۔ اور تخت نشینی کے ایام میں اُس کا تمام وقت خمار کی حالت میں گزرتا تھا۔ ان کا بڑا مقرب ایک سردار بنام چیت سنگھ تھا۔ اس شخص کو یہاں تک دلیری ہو گئی تھی کہ دھیان سنگھ جیسے پُر زور آدمی کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ بلکہ نادانی سے یہ بھی مُنہ سے نکالا کہ وزیر اعظم اپنی جان کو بچائے۔ اکتوبر ۱۸۳۹ء میں یعنی رنجیت سنگھ کی موت کے تین مہینے بعد ہی معاملات نہایت خطرناک ہو گئے تھے۔

دھیان سنگھ اور اُس کے برادران تو دراصل مہاراج کے انتقال کے بعد خود مختار ہو ہی چکے تھے اور بجائے خود ایک سپاہ کثیر ڈوگروں کی اپنے قبضہ میں رکھتے تھے۔ مگر چونکہ دھیان سنگھ ابھی تک عہدہ وزارت پر قائم تھا۔ اس لئے مہاراج کے احسانات اور موجودہ تعلق کے سبب سے اُس کو ابھی تک اپنے مرحوم آقا کے خاندان کی خدمات میں حصہ دینا پڑا۔ سردار چیت سنگھ نے جو جدید مہاراجہ کا نفس ناطقہ تھا۔ جرنیل ونتورا اور دیگر یورپین افسران کو اپنا ممد و مددگار بنانے کی کوشش کی۔ ۸ر اکتوبر تک یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جملہ ڈوگرا خاندان کے نیست و نابود کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور چیت سنگھ نے سرِ دربار دھیان سنگھ کو کھُلے لفظوں میں کہہ دیا" اب دیکھنا کہ ۲۴ گھنٹہ کے اندر اندر تمہارا کیا حال ہو گا"

دھیان سنگھ نے جو نہایت مستقل مزاج اور قوی دل کا آدمی تھا، مسکرا کر نرمی سے جواب دیا" ہم تو آپ کے تابعدار ملازم ہیں جو کچھ ہو گا وہ دیکھا جائے گا" اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی سے دھیان سنگھ نے یہ افواہ اُڑا دی تھی کہ چیت سنگھ نمک حرام ہے۔ اور برٹش گورنمنٹ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور چونکہ ایسی خبریں آندھی کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ اس لئے عام طور پر اس بات کا چرچا ہو گیا کہ چیت سنگھ نے نمک حرامی سے پنجاب کو انگریزوں کی حفاظت میں دینا قبول کر لیا ہے۔ اور روپیہ میں چھ آنہ بطور خراج قائم ہو گئے ہیں۔ علاوہ اس کے خالصہ کی فوج اور سرداروں کو افسری سے علیحدہ کرنا بھی طے پا گیا ہے۔ وقت تو اب آ ہی پہنچا تھا۔ اس لئے دربار ختم ہوتے ہی دھیان سنگھ نے مہاراج کے زنانخانہ میں جا کر شہزادہ نونہال سنگھ کی والدہ سے مشورہ کیا۔ مہارانی صاحبہ تو پہلے ہی سے اپنے

خاوند کی کمزوری کو جانتی تھی۔ اس لئے دھیان سنگھ کو اُن کے دل پر اس بات کے نقش کرنے میں کچھ بھی دِقت پیش نہ آئی، کہ اگر چیت سنگھ کو کامیابی ہوئی تو اُس کو اور یورپین افسروں کو پوری طاقت ہو جائے گی۔ اور حکمراں خاندان قطعی مہمل اور بے اثر ہو جاوے گا۔ شہزادہ نونہال سنگھ اس وقت اٹھارہ سال کا تھا۔ اور رنجیت سنگھ کی جملہ اولاد میں سے صرف اسی میں لیاقت، خصلت اور اولوالعزمی کے نشان پائے جاتے تھے۔ اس کی رانی کو بھی بولایا، اور آخر کار خود شہزادہ کو بھی اس پوشیدہ مشورہ میں شامل کیا گیا۔ چنانچہ یہ بات طے ہو گئی کہ رنجیت سنگھ کے خاندان کا ڈوگرا برادران سے بڑھ کر کوئی بھی زیادہ خیر اندیش نہیں ہے۔ اور صرف نمک حرام چیت سنگھ ہی سلطنت میں بانی فساد ہے۔ اس لئے یہ تجویز کر لی گئی کہ چیت سنگھ کو قتل کیا جائے۔ اور کھڑک سنگھ کو جو کچھ بھی لیاقت نہیں رکھتا ہے معزول کیا جائے اور نونہال سنگھ اُس کی جگہ قائم ہو جائے۔ چونکہ شہزادہ کو اس میں اپنی بہتری معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے اُس نے بخوشی اس تجویز کو منظور کر لیا۔

اب صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ فرانسیسی فوج کے سرداروں کے خیالات بھی معلوم کر لئے جاویں۔ چنانچہ دھیان سنگھ نے اُن کو قطعی اپنے متفق پایا۔ اور اُن سے امداد کا پختہ وعدہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد طاقتور سندھاں والیہ خاندان کا بھی اتفاق ضروری تھا۔ مگر چیت سنگھ نے جرنیل ونتورا کے مشورے سے پہلے ہی اُن کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا تھا اور اُن کو یقین ہو گیا تھا کہ خاندان ڈوگرا انگریزوں کے ساتھ اس غرض سے سازش رکھتا تھا تاکہ رنجیت سنگھ کی اولاد کو محروم الارث کر کے خود اُن کی جگہ قائم ہو جائے۔

راجہ دھیان سنگھ کی یہ چال کہ نونہال سنگھ کو تخت نشین کیا جائے۔ سندھاں والیہ کے شکوک ڈوگرا خاندان کی وفاداری کے متعلق رفع کرنے لئے کافی تھے۔ اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

دھیان سنگھ نے اب فوج کو بھی جو بالکل ان کی طرفدار تھی حکم دے دیا کہ آج رات کو وہ قطعی طور پر اپنی جگہ ساکت رہے اور کپتان گاڈنر کو ہدایت ہوئی کہ قلعہ کے تمام دروازوں پر توپیں بھر کر تیار حاضر رہیں اور چاہے کچھ ہی ہو جائے۔ اور آسمان بھی ٹوٹ پڑے تو بھی وہ سب بے حرکت رہیں۔ راجہ دھیان سنگھ پندرہ آدمیوں کے ساتھ جن میں تینوں بھائی یعنی گلاب سنگھ اور دھیان اور سچیت سنگھ مع شہزادہ نونہال سنگھ اور سندھاں والیہ اور راؤلعل سنگھ اور راؤکشور سنگھ

اور کپتان گارڈنر شامل تھے روانہ ہوئے۔ رانیوں نے مہاراجہ اور اس کے وزیر کے مکان کا دروازہ کھلا رہنے کا پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا۔

جس وقت یہ محل میں داخل ہوتے اُس وقت آدھی رات کا وقت تھا۔ اور جونہی یہ دروازہ میں داخل ہوئے ایک آدمی نے پکار کر پوچھا کہ یہ کون ہے۔ دھیان سنگھ نے جواب دیا۔ "چونکہ مہاراج کل کو امرت سر اشنان کرنے کے لئے جائیں گے۔ اس لئے ہم اُس کی تیاری کرتے آئے ہیں"۔ یہ جواب پہلے ہی سوچ سمجھ رکھا تھا۔ اس کے بعد ایک اور اندرونی دروازہ کے متصل پہنچے اس جگہ دھیان سنگھ نے آہستہ سے کچھ حکم دیا۔ چنانچہ دروازہ کھل گیا۔ اور سب چپ چاپ آہستہ آہستہ زینہ کے اوپر چڑھ کر بادشاہی تخت گاہ کے نزدیک جا پہنچے۔ یہاں سے مہاراج کا کمرہ بالکل قریب تھا۔ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ نے اس وقت کچھ باہمی مشورہ کیا۔ جو کسی کو سنائی نہیں دیا۔ اس موقعہ پر ایک آدمی نے ان کو دیکھ کر آواز دی اور فوراً ہی بھاگ کر جانے لگا۔ مگر سچیت سنگھ نے اُسی وقت گولی سے اس کو مار دیا۔ اس پر گلاب سنگھ نے بڑے زور سے اپنے بھائی کو دھکا دیا۔ اور اس غلطی پر ملامت کی۔ فصیل پر سے جھک کر جو انہوں نے دیکھا تو مہاراج کی دو گارد کی کمپنیاں موجود تھیں۔ دھیان سنگھ جلدی سے زینہ سے اتر کر ان کے پاس گئے۔ صوبہ دار نے پکار کر کہا تو نے بندوق کیوں چلائی ہے۔ اس کے جواب میں دھیان سنگھ نے اپنا ہاتھ اُس کو دکھلا کر (اس میں دو انگوٹھیاں تھیں) اپنی اُنگلی ہونٹوں پر رکھی۔ صوبہ دار یہ علامت دیکھ کر خاموش ہو گیا اور گارد کو لیٹ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں کمپنیاں فوراً زمین پر لیٹ گئیں۔ اس کے بعد صوبہ دار نے اپنے ہاتھ سے اُس بد قسمت آدمی کے کمرہ کے دروازہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کمرہ میں روشنی موجود تھی دھیان سنگھ اور ہمراہی اُس میں داخل ہو گئے۔ وہاں دیکھا کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ اپنے پلنگ پر بیٹھے اپنا مُنہ صاف کر رہے ہیں۔ دوسرا پلنگ جس پر چیت سنگھ لیٹا ہوا تھا خالی تھا۔ جس وقت کھڑک سنگھ سے دریافت کیا کہ وزیر کہاں چلا گیا۔ انہوں نے صرف اتنا جواب دیا کہ وہ بندوق کی آواز سُن کر باہر چلا گیا۔

مہاراج نے جس وقت دیکھا کہ برادران ڈوگرا کے چہروں پر غصہ کے آثار نمودار ہیں تو انہوں نے چاہا کہ چیت سنگھ کی جان بخشی ہو جائے۔ اور اگر شہزادہ نونہال سنگھ اور چار پانچ آدمی اُن کو نہ پکڑتے تو ضرور کچھ نہ کچھ فساد برپا ہو جاتا۔ ان کو اس حالت میں چھوڑ کر باقیماندہ نے دو مشعلیں جلا کر ایک کمرہ میں جو کہ تنگ اور لمبا تھا وزیر کی تلاش کرنی شروع کی۔ چنانچہ ایک کونے میں

کرنل الیگزینڈر گارڈنر بعمر ۷۹ سال

تلوار کی چمک معلوم ہوئی وہاں دیکھا کہ چیت سنگھ ہاتھ میں تلوار لے کر چھپا ہوا ہے اور رو رو کر منت خوشامد کر رہا ہے۔ مگر دھیان سنگھ نے جس وقت اپنے اس خطرناک دشمن کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اور چونکہ اس طرف سوائے چھُروں کے اور کسی کے پاس کچھ نہ تھا اس لئے گلاب سنگھ خود اُس کے قتل پر آمادہ ہوا۔ مگر دھیان سنگھ نے سختی سے اُس کو ہٹا دیا۔ اور چھُرا ہاتھ میں لے کر آہستہ سے آگے بڑھ کر کہا "چوبیس گھنٹہ جو آپ نے مہربانی سے مقرر کیئے تھے ابھی تک گزرے نہیں"۔ اس کے بعد شیر کی طرح جست کر کے یہ کہہ کر اُس کے دل میں چھُرا مارا "یہ رنجیت سنگھ کی یادگار میں ہے"۔ اور پھر ہمراہیوں نے بیچارے چیت سنگھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور دھیان سنگھ نے لوٹ کر بشاش چہرہ کے ساتھ اپنے رفیقوں کا شکریہ ادا کیا۔

واپس آکر سب کے سب مہاراجہ کھڑک سنگھ کے قدموں پر گر پڑے۔ مگر اُن کے غم و غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی۔ شہزادہ نونہال سنگھ اور مہارانی و دیگر رانیوں نے بڑی التجا اور نرمی سے اُن کو دیر تک سمجھایا کہ بجز اس بات کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور پولٹیکل خیال سے سلطنت کی قائمی متوفی وزیر کی زندگی میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے وہ کچھ نرم ہو گئے۔ اس کے بعد سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ چیت سنگھ کی موت پر کسی کو بھی افسوس نہ ہوا۔ بلکہ عام طور پر اظہار اطمینان و مسرت کیا گیا۔ اس کے بعد برادران ڈوگرا مہاراجہ کھڑک سنگھ کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ اُس کے معزول کرنے میں کوئی بھی دِقّت پیش نہ آئی۔ کیونکہ شہزادہ نونہال سنگھ تو اُن کا مددگار تھا ہی۔ کہتے ہیں کہ معزولی کے بعد مہاراجہ قریباً نو مہینے تک زندہ رہے لیکن اس عرصہ میں وہ ولیعہد کے اشارہ سے رفتہ رفتہ زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا۔ کھڑک سنگھ کو اس بیٹے سے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ نزع کے وقت بھی اس نے نونہال سنگھ کو اس واسطے بلایا تاکہ اُس کا قصور معاف کر دے۔ مگر وہ مہاراجہ کی بیماری کی حالت میں صرف ایک ہی دفعہ اُن کے پاس گیا تھا۔ اور اُس وقت بھی اُس سے نہایت بے رحمی اور گستاخی سے پیش آیا۔ دوسرے دن ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو کھڑک سنگھ بعمر ۳۸ سال انتقال کر گیا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی مہاراجہ نونہال سنگھ پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ سکھوں کی رسم کے مطابق اگلے دن کھڑک سنگھ کی ارتھی جلائی گئی۔ اور اس کے ساتھ دو رانیاں اور گیارہ کنیزکیں بھی ستی ہوئیں۔ مہاراجہ نونہال سنگھ بھی اُس وقت موجود تھے۔ مگر بموجب قاعدہ کے وہ اخیر

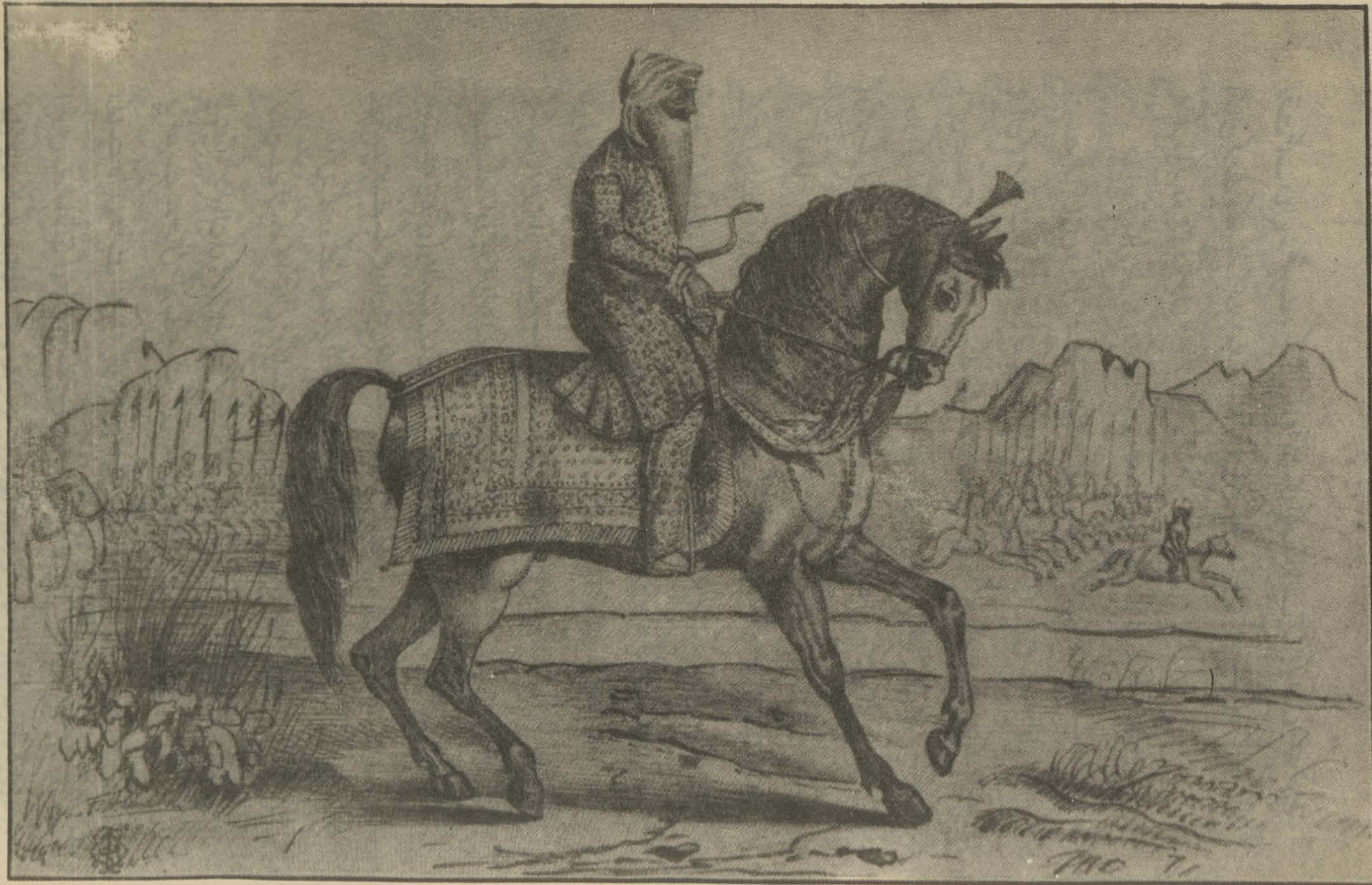

مہاراجہ رنجیت سنگھ - گھوڑسواری

وقت تک وہاں نہ ٹھہرے۔ بلکہ پیش از وقت ہی ایک تالاب میں جو کہ وہاں سے قریب تھا اشنان کرنے کے لئے جملہ درباریوں کے ہمراہ چلے گئے۔ دھیان سنگھ نے اُس وقت کپتان گارڈنر کو حکم دیا کہ وہ ۴۰ توپچیوں کو جا کر لے آئیں۔

مہاراجہ نونہال سنگھ جس وقت اشنان سے واپس آئے تو ایک دروازہ کے نیچے سے گزرے مگر اس میں داخل ہونے سے پہلے اُنہوں نے راجہ گلاب سنگھ کے لڑکے اودھم سنگھ کا جو اُن کا ہر وقت کا رفیق تھا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کر لیا۔ اور اس طرح سے دونوں نوجوان آدمی باتیں کرتے ہوئے اُس محراب کے نیچے سے گزرے۔ لیکن اُسی وقت دروازہ کے گرنے کی آواز آئی اور شہتیر اور پتھروں کے صدمہ سے مہاراجہ اور اودھم سنگھ زمین پر گر گئے۔ چنانچہ اودھم سنگھ تو اُسی وقت مر گیا۔ اور نونہال سنگھ کے سر پر چوٹ آئی۔ لیکن انہوں نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ دھیان سنگھ دوڑ کر آگے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ اپنے برادر زادہ کی لاش کو علیحدہ کر کے ہمہ تن اپنے آقا کی خبر گیری میں مصروف ہو گئے۔ مہاراجہ نونہال سنگھ کو پالکی میں لٹا کر قلعہ میں لے گئے۔ اور دروازہ بند کر کے سب کو آنے کی ممانعت کر دی۔ بڑے بڑے سرداروں نے اور تیر سندھاں والوں نے جو کہ مہاراجہ کے قریبی تھے اندر جانے کی خواہش کی۔ اس کے علاوہ نونہال سنگھ کی والدہ نے نہایت غم کی حالت میں اپنے ہاتھ سے قلعے کے دروازوں کو کھٹکھٹایا۔ مگر مہاراجہ کے کمرے میں جانے کی اجازت تو کہاں، قلعے کے دروازے بھی نہ کھولے گئے۔ اور جملہ سرداروں کو جو دروازہ کے باہر موجود تھے کہہ دیا گیا کہ مہاراج زخموں کے سبب سے بیہوشی کی حالت میں ہیں۔ لیکن اُمید ہے کہ جاں بر ہو جاویں گے۔ کیونکہ باوجود زخموں کے شدید ہونے کے بھی ان میں علامات زندگی پائی جاتی ہیں۔

اس کے دو گھنٹے بعد وزیر اعظم مہاراجہ نونہال سنگھ کی والدہ کی خدمت میں گیا اور تخلیہ میں کہا کہ اُن کے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی اظہار کیا کہ اس راز کو کچھ عرصہ تک خفیہ رکھنا چاہیئے، کیونکہ اُن کی جملہ اُمیدیں راج کرنے کی، اور کم از کم اپنی موجودہ حالت کو قائم رکھنا بھی اس پر منحصر ہے۔ دھیان سنگھ نے بہت غمگین ہو کر یہ بھی بیان کیا کہ جس وقت مہاراج کو پالکی میں رکھا ہے تو اُس وقت اگرچہ وہ قطعی بیہوش نہ تھے۔ لیکن زخم مہلک تھا۔ اور بیماری کی حالت میں انہوں نے مہاراج کی جان بچانے کے لئے بے حد سعی و کوشش کی، مگر تقدیر کے سامنے کوئی چارہ کارگر نہ ہوا۔

میجر سمت صاحب نے کپتان گاڈنر کا چشم دید واقعہ اس طرح لکھا ہے۔
پانچ پالکی بردار جو میرے توپخانے میں ملازم تھے۔ ان میں سے دو تو خفیہ طور پر قتل کئے گئے اور دو جان بچاکر ہندوستان کی طرف بھاگ گئے۔ پانچویں کی بابت مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ ایک پالکی بردار نے بیان کیا کہ جس وقت مہاراجہ کو پالکی میں رکھا تو اس نے دیکھا کہ ان کے داہنے کان کے اُوپر ایک چھوٹا سا زخم تھا جس میں سے اس قدر خفیف خون نکلتا تھا کہ پالکی کے تکیہ پر جو سر کے نیچے تھا صرف ایک روپیہ بھر کے مطابق نشان تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جس وقت اُن کو باہر نکالا ہے تو نہ خون بہ رہا تھا اور نہ زیادہ مقدار میں ٹپک رہا تھا مگر یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس وقت مہاراج کے انتقال کے بعد کمرہ کھول دیا گیا تو خون بڑی مقدار میں بہ رہا تھا۔ اور سر کے نیچے تکیہ پر بڑی کثرت سے جما ہوا تھا۔ غرض مہاراجہ نونہال سنگھ کا انتقال اپنے باپ کے دوسرے دن ہی ہوگیا۔ اور اس طرح سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا شاہی خاندان بھی ختم ہوگیا۔ نونہال سنگھ کی موت کے متعلق جو واقعات پیش آئے اُن سے یہ صحیح نتیجہ نکال لینا کہ آیا دھیان سنگھ کی سازشوں کے سبب سے یہ حادثہ پیش آیا، یا یہ صرف اتفاقیہ موت تھی بڑا مشکل ہے۔ اگرچہ بہت سے مورخ دھیان سنگھ کو الزام دیتے ہیں اور مہارانی چند کور کو بھی اپنے بیٹے کی بیماری کی حالت میں اندر جانے کی اجازت نہ ملنی۔ اس الزام کو اور بھی قوی اور مضبوط کرتی ہے۔ مگر سید محمد لطیف کی یہ رائے کہ اگر دروازہ کے گرنے کا علم برادرانِ ڈوگرا کو ہوتا تو اُس وقت اودھم سنگھ کی بجائے کوئی اور شخص مہاراج کی مصاحبت میں ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دھیان سنگھ کی اپنی جان بھی معرض خطر میں تھی کیونکہ دروازہ کے گرنے سے اُن کے بازو پر بھی سخت زخم آیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ محض اتفاقیہ تھا۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ خودغرضی اور ذاتی عزت اور منفعت کے خیال سے اُس نے اپنے جملہ مخالفین کو نیست و نابود کر دیا۔ اگرچہ اس عمل کے سبب سے سلطنت خالصہ کی بنیاد کو ایسا صدمہ پہنچا کہ آخر کار وہ مضبوط و شاندار عمارت جو رنجیت سنگھ کے بازوئے ہمت سے تیار ہوئی تھی منہدم ہو کر کھنڈرات بن گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دھیان سنگھ نہایت فہمیدہ اور مدبر اور لائق وزیر تھا۔ اور اگر ان اوصاف کے ساتھ اس میں حب الوطنی کا مادہ بھی ہوتا اور خودغرضی کم ہوتی تو قوم خالصہ کی سلطنت شاید اتنی جلدی پامال نہ ہوتی۔ آپس کے لڑائی جھگڑوں نے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ جس قدر بڑے بڑے

اراکین دولت تھے، مع جملہ سرداروں کے جو دلاوری اور جوشش کے خیال سے ممتاز تھے کٹ کر ہلاک ہو گئے۔ اور ایک ایسے وقت میں جبکہ ان جیسے مدبروں اور ناموافسروں کی ضرورت تھی، خالصہ فوج کی افسری لال سنگھ اور تیجا سنگھ جیسے بزدلوں کے سپرد ہوئی۔ جنہوں نے اپنی نالائقی کے سبب اس کا خاتمہ ہی کرا دیا اور خود جان بچا کر لاہور پہنچ گئے۔

چونکہ مہاراج نونہال سنگھ کی ایک رانی کو صورت حمل بتلائی جاتی تھی اسلئے چند کور نے دھیان سنگھ کے مشورہ سے نائب السلطنت ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ادھر شیر سنگھ کے پاس رکن اعظم کے پیغام جانے لگے کہ یہ وقت ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ چنانچہ وہ شبانہ روز کر کے لاہور پہنچ گیا۔ اس وقت ڈوگرا برادران نے ایک نئی چال کھیلی۔ یعنی آپس میں ظاہری نااتفاقی کی صورت پیدا کر لی۔ راجہ دھیان سنگھ تو شیر سنگھ کا طرفدار ہو گیا۔ اور گلاب سنگھ اور ہیرا سنگھ مہارانی کے حامی بن گئے۔

شیر سنگھ تھوڑے عرصہ تک تو بمقام وٹالہ اپنی جاگیر پر رہا اور جب اس نے دیکھا کہ ایک کافی جمعیت اُس کے پاس ہو گئی ہے تو جنوری ۱۸۴۱ء میں لاہور پر حملہ آور ہوا۔ مہارانی چند کور نے ان کی آمد پہ گلاب سنگھ اور ہیرا سنگھ کے ساتھ قلعہ میں پناہ لی۔ اور یہ امر قابل غور ہے کہ دھیان سنگھ شیر سنگھ سے علیحدہ ہو کر جموں کو چلا گیا۔ شیر سنگھ نے لاہور پہنچتے ہی فوج خالصہ کو اپنے ساتھ شامل ہونے کا پیغام دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی بہت سی اُمیدیں انعام اور لوٹ مار کی دلائیں۔ چنانچہ اس لالچ سے ساری فوج اُن کی طرف آ گئی۔ اور اس طرف گلاب سنگھ کو اگرچہ یہ بات معلوم ہو چکی تھی۔ تاہم بھی مہارانی کی امداد پہ مستقل رہا۔ اور سکھ سرداران یعنی سردار تیج سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ اور کئی سندھاں والیوں وغیرہ کو جمع کر کے موجودہ حالت کے متعلق مشورہ کیا۔ چنانچہ سب نے مہارانی چند کور کے ساتھ نمک حلال رہنے کا حلف کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی خاص فوج کو جو شاہدرہ اتری ہوئی تھی۔ فوراً دریا سے گزر کر قلعہ کی طرف آنے کا حکم دیا۔ مگر اس کے بعد ہی دوبارہ حکم پہنچا کہ شیر سنگھ اور اُس کے مددگاروں پر بمقام شالامار دھاوا کیا جاوے۔ یہ ساری فوج قریباً دو ہزار آدمی اور دس توپوں کے تھی۔ اس لئے گلاب سنگھ سو سوار اردلی میں لے کر بہت جلد شالامار پہنچنے سے پہلے ان کو جاملا۔ اور واپس حضوری باغ میں لے آیا۔ اور عذر یہ کیا کہ چونکہ خالصہ کی جملہ فوج جو قریباً ساٹھ ہزار ہے۔ شیر سنگھ کے ساتھ جا ملی اس لئے یہ قلیل تعداد اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

گلاب سنگھ کو یہ توہی اُمید تھی کہ شیر سنگھ بغیر مشورہ دھیان سنگھ کے کوئی پیش قدمی نہ کرے گا۔ اور نیز اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ دھیان سنگھ نے اپنے خطوط میں شیر سنگھ کو صرف لاہور پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ اور اپنے جموں سے واپس آنے سے پہلے لڑائی شروع کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی تھی۔ مگر راجہ گلاب سنگھ کی خواہش اور اُمیدوں کے برخلاف شیر سنگھ نے اگلے دن صبح ہی کو بدھو کے آوے پر قبضہ کر کے لاہور پر حملہ کرنے کی تیاری کر لی۔ گلاب سنگھ نے اسی وقت دیکھ لیا کہ اگر شیر سنگھ کو بغیر دھیان سنگھ کی امداد کے کامیابی ہو گئی تو ڈوگرا خاندان کی ساری اُمیدیں خاک میں مل جاویں گی۔ اس لئے انہوں نے یہ بات اپنے دل میں ٹھان لی کہ جب تک راجہ دھیان سنگھ موقعہ پر نہ پہنچ لیں۔ اُس وقت تک ہرگز صلح نہ کی جائے۔ اور جس طرح ہو سکے مقابلہ کیا جائے۔ جو فہمیدگی اور دلاوری گلاب سنگھ نے اس وقت ظاہر کی۔ وہ بہت کم آدمیوں میں دیکھی جاتی ہے۔ فوج کے جملہ ہندو و مسلمان سرداروں کو جمع کر کے قرآن اور گرنتھ پر قسم کرائی گئی کہ ہرگز مہارانی صاحبہ کی اطاعت اور نمک حلالی سے انحراف نہ کریں گے۔ اس کے علاوہ مہارانی چند کور نے شیر سنگھ کی توپوں کی آواز سے خائف ہو کر تین لاکھ روپیہ سپاہ کو بطور انعام دے دیا۔ شیر سنگھ نے شہر کا محاصرہ تو کر ہی رکھا تھا۔ اور ادھر قلعہ کی دیواروں پر ڈوگرے سپاہی لڑائی کے لئے آمادہ کھڑے تھے۔ مگر شیر سنگھ کے حملہ کرنے پر دوسری فوج نے نمک حرامی سے شیر سنگھ سے زر نقد لیکر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس پر اہل قلعہ کی اور بھی امیدیں ٹوٹ گئیں۔ مگر گلاب سنگھ نے جو کبھی خطرناک وقت میں بھی ہراساں نہ ہوتا تھا اور موقعہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ قلعہ میں اس قسم کا سامان کر رکھا تھا کہ اگر کوئی تدبیر بھی نہ بن پڑے تو قلعہ کو اور شہر کو دفعتاً اُڑا دے۔ دو توپخانے جن میں چالیس چالیس بڑی بڑی توپیں تھیں قلعہ کی دیواروں کے مقابلے میں شیر سنگھ کی فوج نے قائم کر دیئے۔ اس کے علاوہ شہر کی جانب اسّی توپیں اور اہل قلعہ کے مقابلے میں تیار تھیں۔ اور بادشاہی مسجد کے میناروں پر بھی جس جگہ سے قلعہ کا صحن نظر آتا تھا سپاہی بندوقیں چلا رہے تھے۔ شہر کی فوج نے تو مہارانی سے نمک حرامی کی ہی تھی مگر سکھ سرداروں خاص کر سندھانوالیوں نے باوجود حلف کے بھی بیچارے قلعہ والوں سے دغا کی۔ تیجا سنگھ کی بے وفائی اور نمک حرامی تو اس درجہ تک پہنچ گئی کہ اُس کو اہلِ قلعہ کو یہ کہتے ہوئے بھی ندامت نہ ہوئی کہ قلعہ کا اندرونی دروازہ کھول دیا جاوے۔ اس درخواست سے گلاب سنگھ وغیرہ کو اس قدر غصہ تھا کہ اگر تیجا سنگھ ان کے ہاتھ لگ جاتا تو اُس کی خیر نہ تھی۔

کے ساتھ قلعہ کو خالی کر کے دریا کے دوسری طرف چلی جائے۔ اور چند کور کو بطور گزارہ ۹ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر متصل صوبہ جموں دی جائے۔ مگر چونکہ حالات ملکی اور فوجی ایسے تھے کہ ایک مرد حکمران کی سخت ضرورت تھی۔ اس لئے شیر سنگھ کو مہاراجہ تسلیم کر لیا گیا۔ اور راجہ دھیان سنگھ اپنے قدیمی عہدہ وزارت پر قائم رہے۔

یہ شرائط طے ہونے کے بعد گلاب سنگھ نے قلعہ چھوڑنے کی تیاری شروع کی۔ مگر اس سے پہلے اُس نے بڑے بڑے پیپے اور چھکڑے جو کہ تعداد میں سولہ تھے چاندی کے سکّے سے بھر لئے۔ علاوہ اس کے اپنے پانسو نہایت معتبر ملازموں کو اشرفیوں کا ایک ایک تھیلا نگرانی کے واسطے سپرد کر دیا۔ اور ایک تعدادِ کثیر زیورات اور بیش قیمت اشیاء کی اپنے خاص گورکھا جمعدار کی تحویل میں دے دی۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ کے گھوڑوں میں سے بارہ نہایت عمدہ گھوڑے اور پشمینہ وغیرہ کی نایاب اشیاء لے کر رات کے وقت قلعہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ گلاب سنگھ کو اندیشہ تھا کہ فوج خالصہ اپنے لالچ اور جوالا سنگھ کے اشتعال کی وجہ سے اُن کو لوٹ مار نہ کرے، اس لئے احتیاطاً رات کے وقت نکل جانا قرین مصلحت سمجھا۔ چنانچہ فوج ڈوگرا نے بغیر مزاحمت کے دریائے راوی پر پہنچ کے مورچہ بندی کر لی۔ دو دن کے بعد گلاب سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ اور اس موقع پر اُس نے بطور نشان اطاعت اور خوشنودی مہاراج کو کوہ نور پیشکش کیا۔ اثنائے گفتگو میں اُس نے اپنی نمک حلالی اور حب الوطنی کا نقش شیر سنگھ کے دل پر کرنے کی کوشش کی۔ اور اظہار کیا کہ اُس نے اپنی جان پر کھیل کر مہاراج کے جملہ خزانہ ہائے سلطنت کو محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو فوج خالصہ اس کو فوراً لوٹ لیتی۔ علاوہ ازیں چونکہ وہ قوم کا راجپوت اور رنجیت سنگھ کا قدیمی ملازم تھا اس لئے اس نے اپنی دلاوری اور خیر اندیشی کی وجہ سے مہارانی چند کور (جو کھڑک سنگھ کی بیوہ اور رنجیت سنگھ کی بہو تھی) کی عصمت کو قائم رکھنا لازم سمجھا۔ غرض اس قسم کی گفتگو کر کے اُس نے چار پانچ گھنٹے کی ملاقات میں اپنا مطلب حاصل کر لیا۔ لیکن گلاب سنگھ کو اب بھی پورا اطمینان نہ ہوا۔ کیونکہ اس کو یہ خوف تھا کہ فوج خالصہ اب بھی جوالا سنگھ کی تحریک پر آمادہ فساد ہو جاوے گی۔ اس لئے جموں سے دو ہزار فوج منگوا کر دریائے راوی کو عبور کر کے اپنے ملک کی طرف چلا گیا۔

۱۸ر جنوری ۱۸۴۱ء میں شیر سنگھ سلطنت پنجاب کا حکمران ہو کر مسند نشین ہوا۔ اور ڈیڑھ سال کے عرصے میں کوئی واقعات قابل تحریر پیش نہ آئے۔ کابل کی لڑائی کی وجہ سے انگریزوں کے ساتھ رابطہ و اتحاد کو اور بھی ترقی ہوئی۔ چنانچہ مہاراج نے رنجیت سنگھ کی پالیسی کی تقلید میں انگریزوں کی فوج

کو اپنے ملک میں سے گزرنے کی خوشی سے اجازت دے دی۔ مگر شیر سنگھ کے بے موقع انعامات نے فوج خالصہ میں ابتری پھیلادی، چنانچہ ہر روز افسران فوج کے قتل کے واقعات پیش آنے لگے۔ دھیان سنگھ نے بہت کچھ عرض معروض کی اور اس خطرناک حالت کا علاج بتلایا۔ لیکن مہاراج مے نوشی اور عیش و نشاط میں ایسے مستغرق ہوئے کہ وزیر اعظم کی نیک تدابیر پر بالکل توجہ نہ کی۔

دوست محمد خاں جو کہ انگریزوں کی حراست میں تھا۔ ۱۸۴۳ء میں لاہور کے راستہ سے کابل کو واپس چلا گیا مگر اس جگہ یعنی لاہور میں مہاراج کے ساتھ رابطہ اتحاد کو قائم کر گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی راجہ دھیان سنگھ اور سندھانوالیوں کے درمیان تنازعات پیدا ہو گئے۔ جس کے سبب سے نہ صرف یہ دونوں فریق بلکہ مہاراجہ شیر سنگھ بھی ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو گئے۔ سندھانوالیوں میں سے عطر سنگھ۔ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ نامور سردار تھے۔ اور چونکہ ان کی قرابت رنجیت سنگھ سے بہت تھی۔ اس لئے اُن کا رُعب اراکین سلطنت پر بہت تھا۔ شیر سنگھ کے تخت نشینی کے موقعہ پر یہ لوگ کچھ عرصہ کے لئے خود ہی پنجاب سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ مگر اس وقت تھوڑے عرصہ سے پھر واپس آ گئے تھے۔ اور مہاراج سے ارتباط دوستانہ بہت بڑھ گیا تھا۔ عطر سنگھ چونکہ مہاراجہ شیر سنگھ اور وزیر اعظم دھیان سنگھ سے بہت بدظن تھا، اس لئے وہ تو کنارہ کش ہو کر اپنے گھر کو چلا گیا۔ مگر لہنا سنگھ و اجیت سنگھ کی بے تکلفی مہاراج کے ساتھ یہاں تک بڑھ گئی کہ یہ تینوں عموماً یکجا خوش طبعی اور عیش میں شامل رہتے تھے۔

مہاراج نے جو شاہ ملال میں مقیم تھے حکم دیا کہ ۱۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کو وہ بعض سپاہیوں کا معائنہ کریں گے۔ جن کے لئے سندھانوالیئے عطائے جاگیر کے ساعی ہو رہے تھے۔ وقت مقررہ پر سپاہیان مذکورہ نہایت آراستگی کی حالت میں حاضر ہو کر مہاراج کے منتظر رہے۔ مگر مہاراج کسی وجہ سے اُس وقت نہ آ سکے۔ اس لئے لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے تشریف نہ لانے کی وجہ دریافت کی۔ ان دونوں کے پاس جدید نمونے کی بہت عمدہ دونالی بندوقیں تھیں۔ چنانچہ اُن کو اپنے سامنے رکھ کر مہاراج کے بالمقابل بیٹھ گئے اور عطائے جاگیر کے متعلق تذکرہ شروع کر دیا۔ لیکن شیر سنگھ نے جواب دیا کہ وقت مناسب پر اس کا عمل ہو گا۔ یہ کہہ کر اُنہوں نے اجیت سنگھ کی بندوق کو دیکھنے کی غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا اس پر اجیت سنگھ نے بندوق کو دینے کے لئے نالی کے منہ کو اُن کی چھاتی کی طرف کر کے دونوں گھوڑوں کو دبا دیا۔ چنانچہ مہاراجہ شیر سنگھ اپنی کرسی پر پیچھے کی طرف گر پڑے۔ اور کہا کہ یہ کی دغا۔ اس کے بعد وہ فوراً ہی انتقال کر گئے۔ قاتلوں نے اُن کے

کوشک سنگھ
پنڈت جلا
تیجا سنگھ
لال سنگھ
پرتھی سنگھ
جواہر سنگھ

سر کو جسم سے علیحدہ کر دیا۔ اور جملہ ملازموں کو جنہوں نے ان سے مقابلہ کرنا چاہا ان کو تہ تیغ کیا۔ اس پر بھی صبر نہ کر کے بے رحم قاتل بھاگ کر باغ کی طرف جس جگہ مقتول مہاراج کا تیرہ چودہ سال کا لڑکا پوجا کر رہا تھا گئے۔ لہنا سنگھ شمشیر بکف اس لڑکے کی طرف بڑھا۔ مگر اس بیچارے نے جب دیکھا کہ لہنا سنگھ کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہے، تو نہایت منت سماجت سے اس کے پاؤں پر گر کر جان بخشی کی درخواست کی۔ اور باوجودیکہ پرتاب سنگھ نے لہنا سنگھ کو چچا کہہ کر پکارا۔ مگر اس ظالم سردار نے اُس کی بیکسی پر کچھ توجہ نہ کر کے کہا۔ اس وقت کون چچا بنتا ہے۔ اور تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس بے گناہ لڑکے کا سر جسم سے علیحدہ کر دیا۔

اس کے بعد اجیت سنگھ کچھ سواروں کے ساتھ لاہور کی طرف دھیان سنگھ سے ملنے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر وزیر اعظم کے کان تک پہلے ہی سے اس قسم کا چرچا پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ وہ خود مہاراج سے ملنے کے لئے چل پڑے تھے۔ اور اس لئے اجیت سنگھ سے نصف راستہ میں ہی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ اور وہ سب کے سب لاہور کو واپس ہو گئے۔ سندھانوالیوں نے اثناء گفتگو میں کہا کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ دلیپ سنگھ کو مہاراجہ بنانا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ تجویز دھیان سنگھ کے حسب منشاء ہی تھی۔ اس لئے بات بڑھتی معلوم نہ ہوئی۔ مگر وزیر اعظم کو اجیت سنگھ کے ہمراہیوں کو دیکھ کر اندیشہ پیدا ہوا۔ جس وقت قلعے کے پہلے دروازے پر پہنچے تو وہ سب کے سب داخل ہو گئے۔ مگر دوسرے دروازہ پر وزیر اعظم کے چند ہمراہیوں کے سوائے سب کو روک دیا گیا۔ اسی وقت اجیت سنگھ نے دھیان سنگھ کو مخاطب کر کے فصیل قلعہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور جب دھیان سنگھ اس طرف دیکھنے لگا تو اجیت سنگھ نے پیچھے سے بندوق کی گولی سے مار ڈالا۔ اس طرح سے یہ مدبر اور دلاور دھیان سنگھ نابود ہو گیا۔ مگر جملہ فوج کو اس صدمہ سے بہت رنج ہوا اور اُن کی موت کا انتقام بہت ہی جلد لیا گیا۔ وزیر اعظم کے ہمراہیوں میں سے صرف ایک مسلمان نے مقابلہ کیا مگر اُسی وقت اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ دھیان سنگھ اور اُس کے ملازم کی لاشوں کو ایک گڑھے میں جس میں غلاظت رہتی تھی پھینک دیا۔

یہ وقوعہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ لہنا سنگھ بھی آ پہنچا۔ اور اس تمام کیفیت کو سن کر اپنے بھائی کی جلد بازی پر اُس کو بہت ملامت کی۔ کیونکہ اُس کا اپنا منصوبہ یہ تھا کہ وزیر اعظم کے لڑکے اور بھائی کو بھی قلعے میں فریب سے جمع کر کے سب کو ایک ہی دفعہ ہلاک کریں۔ مگر اس وقت چونکہ ہیرا سنگھ اور سچیت سنگھ کو مہاراج کے اور وزیر اعظم کے قتل کی خبر پہنچ جائے گی، اس لئے وہ اپنی حفاظت و

شام سنگھ
اجیت سنگھ
عطر سنگھ
فتح سنگھ
لہنا سنگھ
لہنا سنگھ

نگرانی میں فوج کو اپنی طرف کر لیں گے۔ اور قاتلوں سے اُن کے ظلم کا انتقام لیں گے۔ مگر سندھانوالئے اس خیال پر بھی کم دل ہو کر متوحش نہیں ہوئے بلکہ یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے منصوبوں کی تکمیل میں جو کچھ ہو سکے گا کریں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر راجگان سچیت سنگھ و ہیرا سنگھ کے پاس جو بدھو کے آوے پر مع فوج کے مقیم تھے بھیجا کہ وزیر اعظم اور سندھانوالئے قلعے میں باہم امور سلطنت کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ بھی ضرور آکر شامل ہوں۔ یہ پیغام وزیر اعظم کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ مگر چونکہ یہ راجگان اور ان کے سب سے بڑے مشیر رائے کیسری سنگھ خود بھی بڑے چلتے پُرزے تھے اس لئے وہ کب ان کے فریب میں آتے تھے۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ بڑی خوشی سے تعمیل خواہش کریں گے۔ مگر وزیر اعظم کی اپنے ہاتھ کی تحریر آنی چاہیئے۔ سندھاں والیوں نے جب دیکھا کہ فریب سے تو کام نہیں چلتا۔ تو پانچ سو سوار بھیج دیئے تاکہ ان کو زبردستی لے آویں۔ اب تو سچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کو کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ کہ سندھاں والیوں کے دل میں بڑا بھاری دغا ہے۔ اس لئے اپنی فوج کو جمع کر کے مقابلے کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ سواروں نے یہ دیکھ کر واپس جانا ہی مصلحت سمجھا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی مہاراج اور دھیان سنگھ کے قتل کی خبر سب جگہ پھیل گئی۔ راجہ ہیرا سنگھ کی تو ایسی حالت ہو گئی کہ زمین پر گر کر ایک بچے کی طرح سے رو رہا تھا۔ مگر کیسری سنگھ کے سمجھانے سے کچھ صبر و استقلال قائم ہوا۔ اور سب نے جمع ہو کر آئندہ کی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا۔ چنانچہ یہ رائے قائم کر لی گئی کہ سب کے سب فوج خالصہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ مہاراجہ شیر سنگھ اور وزیر اعظم دھیان سنگھ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جاوے۔ یہ چال راجگان کی طرف سے ایسی خوش اسلوبی سے ادا ہوئی کہ جملہ فوج خالصہ ان کے حامی و مددگار بن گئے۔ راجہ ہیرا سنگھ نے فوج کو بلا کر اپنی تلوار و ڈھال اپنی کمر سے کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ اور کہا "مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مجھ کو بچپن ہی سے اپنا متبنّیٰ بنا کر پرورش کیا تھا۔ آج یہ وقت ہے کہ سندھانوالئے جنہوں نے تمہارے بادشاہ اور نیز میرے والد اور وزیر اعظم کو قتل کر دیا ہے۔ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ سپاہیو! تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب یہ لوگ (یعنی سندھانوالئے) ہندوستان کی طرف گئے ہوئے تھے تو انہوں نے بیوفائی سے انگریزوں کے ساتھ سازش کر لی تھی۔ چنانچہ جو حادثہ آج پیش آیا ہے۔ یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں ان کا یہ بھی ارادہ ہے کہ انگریزوں کو بُلا کر ملک اُن کے سپرد کریں۔ اس ارادہ کی تکمیل میں انہوں نے آج صبح سے دس بارہ پیغام فیروز پور اور لودھیانہ کی طرف انگریزوں کو اپنی کامیابی کے متعلق اطلاع دینے کی

غرض سے بھیجے ہیں۔ اس وقت بھی اگر تم نے کوئی ہمت نہ کی تو تین دن تک سُن لو گے کہ چالیس پچاس ہزار انگریزی فوج ستلج سے عبور کر آئے گی۔ اور جس وقت وہ یہاں پہنچ گئے تو اس وقت دیکھ لینا کہ وہ جملہ فوج خالصہ کو برخاست کر دیں گے۔ تم سب کو ہتھیار رکھ کر اپنے اپنے گھروں کو جانا پڑے گا۔ تمہاری دلیری اور نیکنامی سب خاک میں مل جاوے گی، اور بے عزتی کا سامنا ہو گا۔ تمہاری مصیبت یہاں ہی ختم نہ ہو جاوے گی بلکہ تم ایسے تنگ دست ہو جاؤ گے کہ اگر قلبہ رانی کے ذریعے سے بھی اپنی معاش پیدا کرنی چاہو گے تو مشکل ہو جاوے گی۔ سپاہیو! اگر اس ذلت کو ٹالنا چاہتے ہو تو میری نصیحت پر عمل کرو۔ بوڑھے مہاراج کے خزانے بھرے رکھے ہیں، مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اُن کو ہاتھ لگانے کی کوئی بھی ضرورت نہیں۔ میری اپنی اور نیز والد اور چچا کی دولت اس قدر ہے کہ ایک لاکھ وفادار سکھ سپاہیوں کو ایک سو سال تک خوشحالی سے رکھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ اور میں صدق دل سے وعدہ کرتا ہوں اور اگر ضرورت ہے تو حلف بھی کرتا ہوں کہ آج سے تمہاری تنخواہ ڈیوڑھی کر دی گئی ہے۔ پیدل سپاہی کو بارہ روپیہ ماہواری دی جائے گی۔ اور سوار کو ایک روپیہ یومیہ ملے گا۔ میری بات کو سمجھ لو اور میری نصیحت پر عمل کرو۔ ہم اپنی متفق کوششوں سے نہ صرف اپنے ملک کو خطرناک حالت سے بچا لیں گے بلکہ بے عزتی سے بھی ہم سب کو نجات ہو جاوے گی۔ ساتھ ہی سندھانوالیوں کو ان کے دغا اور بے رحمی کی سزا مل جاوے گی۔ یہ لوگ نہ صرف اپنی قوم، مذہب اور ملک کے دشمن ہیں بلکہ اپنے بادشاہ اور وزیر کے قاتل ہیں۔"

یہ تقریر ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ فوج نے جوش میں آکر کہا کہ ہم سب لڑنے اور مارنے کو تیار ہیں۔ اور ہیرا سنگھ سے کہا کہ آپ بدھو کے آوے پر جا کر تیاری کریں۔ اور ہم بھی آراستہ ہو کر آتے ہیں تاکہ مکار سندھانوالیوں سے پورا پورا انتقام لیں۔ ہیرا سنگھ نے اُن کو سمجھایا کہ جلدی نہیں کرنی چاہیئے تم تیار رہو۔ میں موقعہ دیکھ کر تمہیں حکم دوں گا۔ مگر سپاہیوں پر ایسا جوش طاری تھا۔ اور وہ ایسے بے چین ہو رہے تھے کہ اگرچہ آدھی فوج اس وقت رات کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی، تاہم بھی انہوں نے بگلچیوں کو اور دُہل نواز کو فوج کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اِس پر اگر کسی سپاہی نے ذرا بھی سُستی جمع ہونے میں کی تو اس کے ہمراہیوں نے اُس کو بہت زد و کوب کیا۔ اور اگر کوئی کھانے پر سے نہ اٹھا تو دوسروں نے بندوقیں مار کر اُس کو گرا دیا۔ تمام فوج اس قدر قلیل عرصے میں جمع ہو گئی کہ کھانا پکانے کے برتن اسی طرح رکھے رہے۔ غرض چشم زدن میں پیدل و رسالہ اور توپ خانہ جمع ہو کر بے وفا سندھانوالیوں پر حملہ کرنے کے لئے تُل گئے۔ چالیس ہزار فوج اس بات کی منتظر کھڑی

تھی کہ راجہ ہیرا سنگھ حکم دیں تو اُن کے دشمنوں اور اُن کے والد کے قاتلوں کو نیست و نابود کر دیں۔ مگر ہیرا سنگھ کی مصلحت نے رائے نہ دی کہ غروب آفتاب سے پہلے حرکت کی جاوے۔

اِدھر تو یہ بندوبست ہو رہا تھا۔ اُدھر سندھاں والئے ہمہ تن اس کوشش میں مصروف تھے کہ انعام اور رشوت کے ذریعے جملہ افواج کو جو شہر اور قلعہ میں تھی اپنی طرف کر لیں۔ مگر ان سے یہ غلطی ہوئی کہ خود فوج کے پاس جانے کی بجائے انہوں نے افسروں کو بُلا کر اُن کے ذریعے سے فوج پر اثر ڈالنا چاہا۔ اگر وہ ہیرا سنگھ اور اُس کے ہمراہیوں کی طرح عمل کرتے تو یہ ممکن تھا کہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتے۔ مگر اس طرح وہ ناکام رہے۔

غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹے بعد راجہ ہیرا سنگھ کل فوج خالصہ کے ہمراہ اور قریباً ایک سو ضرب توپ لے کر قلعے پر حملہ آور ہوا۔ سندھانوالیوں نے قلعے کو بچانے کی غرض سے مقابلہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ چالیس ہزار فوج برسرِ پرخاش ہے اور دیوار قلعہ بھی گر گئی تو جان جوکھوں کر کے بڑی دلیری سے لڑ کر مر گئے۔ اور اس طرح سے اجیت سنگھ و لہنا سنگھ سے راجہ دھیان سنگھ کی موت کا بدلہ لے لیا گیا۔

اس کے بعد دھیان سنگھ کی نہایت ہی خوبصورت نوعمر بیوہ ستی ہو گئی۔ اس دلیر عورت نے فوج کے سامنے حلف کر لیا تھا کہ جب تک میں اپنی آنکھوں سے اپنے شوہر کے قاتلوں کو خاک و خون میں ملا ہوا نہ دیکھ لوں گی، ہرگز ستی نہ ہوں گی۔ جس وقت چتا پر یہ عورت بیٹھ گئی تو اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کے سروں کو راجہ دھیان سنگھ کے قدموں کے نیچے رکھ دیا گیا۔ اور وزیر اعظم کی کلغی اس بیوہ کے ہاتھ میں دے دی گئی اور اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنے سوتیلے بیٹے ہیرا سنگھ کی پگڑی پر باندھ دی۔ اس کے بعد نہایت مسرت سے چتا کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا کر مع تیرہ کنیزکوں کے خاکستر ہو گئیں۔

ان ہولناک واقعات کے بعد دلیپ سنگھ کو تختِ سلطنت پر بٹھلا دیا گیا۔ اور راجہ ہیرا سنگھ ان کے وزیر مان لئے گئے۔

○

مہاراجہ دلیپ سنگھ (۱۸۳۷ء - ۱۸۹۳ء)

محسنِ اعظم ﷺ اور محسنین

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ اور خلفائے راشدینؓ کی حیاتِ مبارکہ پر ایک منفرد تالیف۔

مولف: فقیر سید وحید الدین

قیمت: پچاس روپے

انجمن

مصنف: فقیر سید وحید الدین

قیمت: ایک سو روپیہ

میرا بھائی

مصنفہ: محترمہ فاطمہ جناحؒ

قیمت: چالیس روپے

حالاتِ قائدِ اعظمؒ

قائد اعظمؒ کے سیاسی تشخص اور اس دور کے سیاسی خدوخال کی شاندار سیاسی تاریخ

مصنف: خالد اختر افغانی

قیمت: ۱۲۵ روپے

روزگار فقیر (دو جلدوں میں)

مصنف: فقیر سید وحید الدین

قیمت: دونوں جلدیں دو سو روپیہ

قائد اعظمؒ ابتدائی تیس سال

مصنف: رضوان احمد

قیمت: پچاس روپے

قائدِ اعظم جناحؒ

جیسا میں انہیں جانتا ہوں

قیمت: ۱۲۵ روپے

حسن اصفہانی کی یہ تصنیف معرکے ہی کی نہیں، بلکہ یادگار اور عظیم الشان بھی ہے جس سے قائد اعظمؒ کی شخصیت اور قیام پاکستان کے لئے ان کی جدوجہد ایک نئے انداز میں سامنے آتی ہے اور اس دور کی بعض شخصیتوں اور واقعات کی اصلیت بے نقاب ہوتی ہے۔

المیہ مشرقی پاکستان ۔ پانچ کردار

جنرل یحییٰ خاں، آغا محمد علی، جنرل گل حسن، ایئر مارشل رحیم خاں سے منیر احمد منیر کے انٹرویوز۔

قیمت: پچاس روپے

سیاسی اتار چڑھاؤ

یحییٰ بختیار، سر ظفر اللہ خاں، عبدالحمید دستی، یوسف خٹک، سید مرید حسین سے منیر احمد منیر کے انٹرویوز

قیمت: ایک سو روپیہ

- قائد اعظمؒ پر قاتلانہ حملہ قیمت پچاس روپے
- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی قیمت چالیس روپے
- عجمی کا حج (ڈاکٹر اے آر خالد کا سفرنامۂ حج) قیمت چالیس روپے
- رو میں ہے رخشِ عمر (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی خود نوشت) قیمت: ۵۰ روپے
- میری داستان (سید عبداللہ شاہ کی یادداشتیں) قیمت ۳۰ روپے
- آؤٹ آف ڈیٹ (پرانے فلمی آرٹسٹوں کی یادداشتیں) قیمت: ۳۰ روپے

آتش فشاں پبلیکیشنز

شبستان سینما ـــــ ایبٹ روڈ ـــــ لاہور

ATISH FISHAN
PUBLICATIONS
SHABISTAN CINEMA
BUILDING, ABBOT ROAD
LAHORE
PHONE NO. 303414